ملتان

نقیبِ ختمِ نبوّۃ

محرم سنہ ۱۴۱۰ھ اگست سنہ ۱۹۸۹ء

مؤمنین اہلِ سنّت کو اسلامی سالِ نو مبارک ۱۴۱۰ھ

اے ہم نفسو! ــــــ ہم سفرو! ــــــ حکومتِ الٰہیہ کی مقدس منزل کے راہیو!
اس دینِ حق کا شجر تب گھنی چھاؤں لایا جب عظمتِ آدم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ گرامی اور چہرۂ انور کا خونِ حق اس اصلِ حق میں جذب ہوگیا تب دین کی عمارت مکمل ہوئی جب مکہ کے تیرا سال کے دکھ، بدر و اُحد و غطفان اور حنین و تبوک میں پروردگانِ رسالت کے پوزِ گوشت خون اور عظامِ عرش مقام اس کی بنیادوں میں ڈالے گئے۔

اے رہ نوردانِ وادیٔ حق و صداقت!
کبھی نہ بھولنا کہ قبولیت و اجابت کا درِ حق اس وقت تک نہیں کھلے گا جب تک احرارِ حق والے، دین کے متوالے۔ مجاہدہ و ریاضت ــــ اور قربانی و ایثار کی آزمائش میں پورے نہیں اُترتے ــــــ

؏ جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے۔

ــــ سونے والو ــــ جاگو ــــ!
غافلو ــــ چاق و چوبند اور مستعد ہو جاؤ ــــ!
ــــ کسی آنے والے کے انتظار میں بیٹھنے والو ــــ مجاہد بنو ــــ! ــــ حق پہچانو ــــ قربانی و ایثار کے پیکر بنو
تقویٰ اور خلوص سے پاکستان کو ــ امن ــ سلامتی ــ یکجہتی ــ اور ــــ حکومتِ الٰہیہ کا گہوارہ بنا دو ــــ!

رئیس التحریر

ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوّۃ [شعبۂ تبلیغ] عالمی مجلس احرارِ اسلام پاکستان

افکارِ احرار

اسلام اور پاکستان

پاکستان کے پڑوسی شیعہ ملک ایران میں پہلوی اقتدار کے خاتمہ اور شیعہ انقلاب کے بعد ایرانی پاسدارانِ انقلاب اور پاکستانی ایس دارانِ انقلاب نے جس جارحانہ انداز سے دین اور اسلافِ دینی پر کیچڑ اچھالا، رسولؐ، ازواجِ رسول اور اصحابِ رسول علیہم السلام پر جس بُری طرح سے تہمت و دشنام والزام کا بازار گرم کیا اس سے اہلِ اسلام کا مضطرب ہونا فطری امر ہے اس کے ساتھ ساتھ سازشوں، رغبتوں اور شیعہ انقلابی قوتوں کے بل بوتے پر پاکستانی اقتدار پر شیعوں کے قبضہ و تسلّط کے تناظر میں اہلِ اسلام کی بے بسی و بزدلی جتنی اذیت ناک ہے اس، حضرت امیرِ شریعت رحمۃ اللہ کی ۱۹۴۹ء کی مجلسی گفتگو کا ایک اقتباس ہدیۂ قارئین ہے۔

"یہ بات اب سوچ رہے ہو؟ جب پاکستان بنا تھا یہ تو ہم اسی وقت بھانپ گئے تھے کہ اب حکومت دو گروہوں کے قبضہ و تسلّط میں ہوگی۔ "شیعہ و مرزائی"، شیعہ زیادہ ہیں اور مرزائی کم۔ مگر خطرہ انہی سے زیادہ ہے باقی یہ خیال دل سے نکال دو کہ شیعہ کسی بھی گوشہ میں تم سے رعایت برتیں گے یا تمہاری مدد کریں گے، وہ صرف اپنے ہیں اور کسی کے نہیں ہیں صوبوں سے لے کر مرکز تک وہی قابض ہیں۔

کرامت علی، غضنفر علی، محمد علی۔ یہ لوگ اگرچہ سیاسی لیڈر ہیں اور بظاہر وسیع المشرب مگر شیعہ ازم میں وہ بہت متشدد و مضبوط ہیں۔ جہاں تک ان کا بس چلے گا۔ ہمارے اسلام اور قرآن کو ناقابلِ عمل بنا کر دم لیں گے۔ غضنفر علی نے گذشتہ برس راولپنڈی میں کہا "وہ زمانہ لد گیا جب بخاری قرآن سنا سنا کر لوگوں کو اُلّو بنایا کرتا تھا اب پاکستان بن گیا اب یہاں ان باتوں کی گنجائش نہیں"۔ پاکستان میں حکمرانوں کے ہاتھوں دین کا جو انجام ہوگا وہ تمہارے سامنے ہے میں نے تو کہا تھا ہندوستان میں مسلمان نہیں رہنے دیا جائے گا اور پاکستان میں اسلام نہیں رہنے دیا جائے گا۔ پاکستان میں دین کا بس اللہ ہی حافظ ہے یہاں فرنگی کے جانشین فرنگی سے زیادہ دین دشمن ہیں۔ شاید کچھ مدت بعد اس ملک میں دین، اسلام کا لفظ بھی لوگوں کی سمجھ میں نہ آسکے۔ آثار اچھے نہیں ہیں"

امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ

ملتان مارچ ۱۹۴۹ء

نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

سالِ اشاعت: ۲ ۔ سلسلہ اشاعت: ۸
محرم الحرام ۱۴۱۰ھ ۔ اگست ۱۹۸۹ء

سرپرستانِ اکابر:

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہٗ
مولانا محمد اسحٰق صدیقی مدظلہٗ
مولانا حکیم محمود احمد ظفر مدظلہٗ
مولانا محمد عبداللہ مدظلہٗ
مولانا عنایت اللہ چشتی مدظلہٗ
مولانا محمد عبدالحق مدظلہٗ

رفقاءِ فکر:

حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہٗ

سید عطاء المحسن بخاری
سید عطاء المؤمن بخاری
سید عطاء المہیمن بخاری
سید محمد کفیل بخاری
سید عبدالکبیر بخاری
سید محمد ذوالکفل بخاری
سید محمد ارشد بخاری
سید خالد مسعود گیلانی
عبداللطیف خالد ○ اختر جنجوا
عمر فاروق عمر ○ محمود شاھد
قمر حسنین ○ بدر منیر احرار

آئینہ

اداریہ: سید عطاء المحسن بخاری ۲
پاکستان کی کہانی شاہ جیؒ کی زبانی
سید محمد کفیل بخاری ۴
سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ: وقار انبالوی ۷
اور ہم آزاد ہو گئے: شورش کاشمیری ۸
"آزادی": احسان دانش ۱۰
مقامِ صحابہ: عامر عثمانی ۱۱
ھماری دعوت: ـــــــ ۱۴
اسلامی عبادات: مولانا محمد اسحٰق صدیقی ۱۵
ہیں جو سُرخ رو: خادم حسین شیخ ۱۹
علامہ اقبال اور فتنۂ جمہوریت:
حکیم محمود احمد ظفر ۲۹
مُرادِ رسول: ضیاء الحق چوہان ۳۹
آئینہ حدیث میں اپنا چہرہ: عبدالواحد بیگ ۴۲
حضرۃ اکبر الہ آبادی: پروفیسر عابد صدیق ۴۴
دو حرام زادے: راجہ مہدی ۴۷
مکتوب خانپور: ـــــــ ۴۹
ایک مجاہد کا خط: ـــــــ ۵۱
ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند: ۵۵

ـــ: رابطہ :ـــ

مدرسہ معمورہ دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

فون: ۷۲۸۱۳

قیمت: =/۵ روپے

سالانہ: =/۵۰ روپے

دل کی بات :-

کیا ہم آزاد ہیں ....؟

آزادی غلامی کی ضد ہے ان دونوں حالتوں کا ایک جگہ جمع ہونا ممکن ہی نہیں۔ ایک حریت پسند کبھی غلامی کی زندگی قبول نہیں کرتا اسکی فطرت میں غلامی سے مفاہمت نہیں ہوتی اس لئے وہ اپنے جذبۂ حریت کی حرارت سے غلامی کی زنجیریں پگھلا دیتا ہے اور آزادی کے تخت پر جلوہ گر ہو جاتا ہے ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ نے اپنے قائداعظم محمد علی جناح کی اولوالعزم قیادت میں مفاہمت کی راہ سے آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد کا آغاز کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دس برس کی قلیل مدت میں عوام لیگ کے پرچم تلے جمع ہو گئے اور تحریک پاکستان کے قائد قیام پاکستان میں کامیاب ہو گئے۔ پاکستان بن گیا۔ دنیا کا نقشہ بدل گیا۔ جنوبی ایشیاء کی گود میں لق و دق نوزائیدہ پاکستان ہمکنے لگا۔ بانئ پاکستان کی اس کامیابی پر انہیں جتنا بھی تحسین و آفرین کہا جائے کم ہے انہیں ایک سال آزادی کے تخت پر جلوہ گری کا موقع ملا مگر وہ اپنے پاکستانی ماحول، بیماری اور فرنگی کی پالیسیوں کے حصار سے باہر نکلنے میں کامیاب نہ ہو سکے اور عاقبت کو سدھارے ان کے وارثوں نے پاکستان کی آزادی کو آڑے ہاتھوں لیا۔ اور وہ پاکستان جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو قائم کرنے اور اسلام اور ہندومت کی بنیاد پر قائم ہونے والے دو قومی نظریہ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے حاصل کیا تھا۔ اسکو ہندوؤں سکھوں عیسائیوں، یہودیوں، مرزائیوں، سبائیوں اور مسلمانوں پر مشتمل ایک نئی پاکستانی قوم کا ملک قرار دیکر نظریۂ پاکستان کو خاکستر کر دیا گیا اور غلامی کی جن زنجیروں کو دس برس کی زبردست عوامی قوت اور موومنٹ سے ریزہ ریزہ کر دیا گیا تھا۔ مسلم لیگ کے بزرجمہروں نے وہ طوق غلامی پھر اپنے گلے میں ڈال لیا۔ امریکی لابی میں لیگی لیڈروں کی شرکت نے پاکستان میں ثقافت کے بہروپ میں اسلامی عقائد، اسلامی عبادات، اسلامی اخلاق و اقدار اور اسلامی تہذیب و تمدن کا حلیہ بگاڑنا شروع کر دیا۔ حکمرانوں کے اعمال کو دین کہا جانے لگا۔ ان کے سماجی رویوں کو دینی اقدار باور کرایا گیا اور امریکی و یورپی افکار کی یلغار نے پاکستانی نسلِ نو کو دین بیزار مخلوق کا روپ دے دیا حکمرانوں کی بھرپور اعانت نے اور مفادات کی جنگ نے طبقاتی کشمکش کو جنم دیا۔ جب طبقاتی کشمکش عروج پر پہنچی تو اس سے لسانی اور صوبائی عصبیتوں نے جنم لیا۔ ان عصبیتوں کو لیڈ کرنے والے عناصر نے مفادات اور تعصبات کی تکمیل و تشکیل کیلئے سفارتخانوں کی دہلیز چاٹی۔ سفارتخانوں میں متعینہ "کنگ" اور "ایول جینیس" لوگوں کو تو ایسے عناصر کی ہر وقت تلاش ہوتی ہے۔ انہیں اس سے بہتر کونسا موقع مل سکتا تھا انہوں نے متحدہ مسلم قومیت

کی فصیل میں دراڑیں ڈالیں متحدہ پاکستان میں فاصلے بڑھائے اور مشرقی پاکستان الگ ہوگیا۔ نفرتوں کی بنیاد پر تقسیم کا عمل قبول کرنیوالے تقسیم کے عفریت کے سامنے دم مارنے کی جرأت نہ کرسکے اور ہم اپنے سونار بنگال سے ہمیشہ کیلئے محروم ہوگئے۔

لیکن قائداعظم کے وارثوں نے ایسے ہولناک حادثہ سے قطعاً کوئی سبق یا عبرت ونصیحت حاصل نہ کی اور آزادی کا مفہوم یہ سمجھا کہ زمین اور جسم آزاد ہوجائیں صرف یہی آزادی ہے حالانکہ اس حقیر مقصد کیلئے ہرگز ہرگز قومی پیمانے پر قربانیاں نہیں دی جاسکتیں ستر ہزار عصمتوں کی ویرانی اربوں کے سرمایہ وجائیداد کی بربادی تباہی اور لاکھوں انسانوں کی قتل وغارت گری صرف، رسولؐ، قرآن وحدیث، صحابہؓ واہل بیتؑ سے حقیقی محبت بے پناہ عقیدت، سچی شیفتگی اور والہانہ پن کی اساس پر تھی مسلم لیگ نے دس برس پراپیگنڈے کے تمام میڈیاز سے امت مسلمہ کو یہی نعرہ دیا تھا:

پاکستان کا مطلب کیا:

لا الٰہ الا اللّٰہ

اور ملتِ اہل سنت سے یہی وعدہ کیا تھا کہ:

پاکستان کی اس سرزمین پر خلافت راشدہ قائم کیجائیگی۔ لیکن حادثہ یہ ہوا کہ حکمران لا الٰہ الا اللّٰہ سے ہی ناآشنا نکلے حکمران لا الٰہ الا اللّٰہ کے تقاضوں کے منافق مخالف بن کے ابھرے۔ منہ سے کلمہ پڑھتے ہیں نام بھی مسلمانوں جیسے ہیں مگر ذاتی اعمال قومی وافعال ٹرومین، آئزن ہاور، نکسن، کارٹر اور بش سے بھی بدتر اور عقائد علقمی وبولہبی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بیالیس برس قبل جو غلامی انتہا درجہ قابل نفرت تھی آج وہ آزادی کے ہم معنی قرار دی جارہی ہے۔

ع کیسی منزل ہے کیسی راہیں کہ تھک گئے پاؤں چلتے چلتے
وہی ہے فاصلہ اب بھی قائم جو فاصلہ تھا سفر سے پہلے

ترتیب:
سید محمد کفیل بخاری

پاکستان کی کہانی ـ شاہ جیؒ کی زبانی

بانیِ احرار، مؤسس تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے جدوجہدِ آزادی میں بے پناہ صعوبتیں برداشت کیں وہ حق گو انسان تھے اور حصارِ حق سے باہر جھانکنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے انہیں سچ سے جتنی محبت تھی جھوٹ سے اس سے زیادہ نفرت۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دوستوں اور دشمنوں میں یکساں مقبول تھے دوست جتنا قریب تھے دشمن اس سے کہیں زیادہ خوفزدہ۔ قیامِ پاکستان سے قبل اور بعد انہوں نے سینکڑوں تقریریں کیں اور اپنی مؤمنانہ بصیرت سے حالات و واقعات کا جو تجزیہ فرمایا وہ حرف حرف سچ ثابت ہوا۔ ذیل میں آپ کی نجی مجالس اور تقریروں سے ایسے اقتباس پیش کئے جارہے ہیں جو ۱۴ راگست ۱۹۴۷ ر کے پروانۂ آزادی کے پس منظر اور پیش منظر کو سمجھنے کیلئے کافی ہیں اور موجودہ حالات میں ان کی اہمیت دوچند ہو گئی ہے (مرتب)

مجھے صاف نظر آرہا ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ دور دور تک آگ لگی ہوئی ہے، مکان جل رہے ہیں، دکانیں لوٹی جارہی ہیں اور قزاق عصمتیں اڑائے سرپٹ دوڑ رہے ہیں۔ ماں بیٹے کو چھوڑ چکی۔ باپ بیٹی کو ہار چکا ہے۔ سب رشتے ٹوٹ گئے ہیں۔ چاروں طرف قیامت کا صُور پھک گیا ہے، دریاؤں میں خون ہے، ہواؤں میں دھواں۔ دھرتی طوطا چشم ہو گئی ہے۔ سیاست دانوں نے جغرافیائی نقشہ اٹھا کر اس پر ضرب و تقسیم کی ہے لیکن اسکی بدولت بڑی مدت کے لئے انسان مر گیا ہے برِاعظم میں تبلیغ کا دروازہ بند اور جذبۂ جہاد ختم ہو گیا ہے ہم نے سیاسی حقوق کے حصول کی خاطر دینی فرائض سے بغاوت کر دی ہے۔ مسلمانوں کو تیاری کے بغیر ایک ایسی آگ میں جھونک دیا گیا ہے جس کا واحد نتیجہ ہمہ گیر تباہی ہے۔ اگر مسلمانوں کے ساتھ بدعہدی کی گئی تو پاکستان سیاسی مفاد پرستوں اور قومی غداروں کی آماجگاہ بن جائیگا۔

"لعنت بر پدرِ فرنگ"

میاں آج ہنستے ہو کل روؤ گے تم نہیں دیکھ سکتے۔ میں دیکھ رہا ہوں۔ جو کچھ بیت رہا اور جو کچھ بیتنے والا ہے۔ ایک وبا پھوٹ چکی اور ایک وبا آرہی ہے۔

ہاں بھائی! انگریز کا مفاد اسی میں ہے کہ بستیاں کوئلہ ہو جائیں، لوگ قتل ہوں۔ آخر جانے سے پہلے

فرنگی بابا آزادی کی قیمت لے کر ہی جائے گا۔ تم نے آزادی مانگی تھی۔ یہ لو آزادی۔ ؟ یہ اس کی پہلی قسط ہے قدرت کبھی معاف نہیں کرتی۔ اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں میری آنکھیں بہت کچھ دیکھ چکی ہیں اور بہت کچھ دیکھ رہی ہیں، میں نے ہوا کا رُخ جس طرف دیکھا ہے تم اس کے برعکس دیکھو گے برہنہ گفتگو کا موقع نہیں ورنہ جو کچھ جہد آزادی کے دور میں ہوتا رہا اور برطانوی سرکار نے خود کاشتہ خاندانوں کیلئے جو کچھ کیا یا ان خاندانوں نے برطانوی سرکار کیلئے جو کیا وہ روداد اتنی تلخ ہے کہ عرش و فرش کانپ اُٹھتے ہیں۔

(اگست ۱۹۴۷ء دفتر احرار۔ لاہور)

تقسیم ہندوستان ہی نہیں ہوگا۔ پاکستان بھی ہوگا۔ اور پھر پاکستان پر رفتہ رفتہ وہی لوگ قابض ہو جائیں گے جو آج بھی انگریز کے غم خوار و نمک خوار ہیں۔ یہ اُمراء کی ایک جنت ہوگی لیکن ننانوے فیصد عوام کے لئے یہی شب و روز ہوں گے۔ اسلام ایک مسافر کی طرح ہوگا۔ (امرتسر ۱۹۴۶ء)

تم میرے بارے میں جو چاہو سوچ لو مسلمانوں کا شعار ہو گیا ہے کہ وہ برائیاں عقاب کی آنکھ سے پیچھے اور صبا کی رفتار سے پکڑتے ہیں۔ کبھی کبھی نیکیوں پر بھی نگاہ کر لیا کرو۔ تمہاری فطرتیں اس سے خوبصورت ہوتی چلی جائیں گی۔ عیبوں پر پردہ ڈالنا، درگذر اور چشم پوشی ربانی صفت ہے تم بھی چشم پوشی سے کام لیا کرو۔ (لاہور ۱۹۳۹ء)

۲ ——— میں نے جو کچھ کیا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کیا۔ مجھے ایک لحظہ کے لئے بھی اپنی کسی حرکت پر ندامت نہیں۔ میرا دماغ غلطی کر سکتا ہے لیکن میرے دل نے کبھی غلطی نہیں کی مجھ سے وفاداری کا ثبوت مانگنے والے پہلے اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کو اپنی وفاداری کا ثبوت دیں۔

۳ ——— میں اُن لوگوں میں سے نہیں جو یہ صدا دیتے پھریں کہ ہم توشۂ وفاداری لئے پھرتے ہیں۔ میری انگلی پکڑ کر اپنے ساتھ لے چلو اور جس مقتل میں چاہو مجھے ذبح کر دو۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا ہرگز نہیں ہوگا۔ میں خوش ہوں، میری خوشی بس یہ ہے کہ اس ملک سے انگریز نکل گیا۔ میں دنیا کے کسی حصے میں بھی سامراج کو نہیں دیکھ سکتا میں اس کو قرآن اور اسلام کے خلاف سمجھتا ہوں۔

میں اُن لوگوں میں بھی نہیں جو انسانی ضمیر کی سوداگری کرتے ہیں۔ میں اس شخص کو دھوپ چھاؤں کی اولاد سمجھتا ہوں جو قدم قدم پر پینترا بدلتا ہو، ملک سے غداری کرتا اور جس ہنڈیا میں کھاتا ہے اسی میں چھید کر ڈالتا ہے۔ میں نے صرف ایک اللہ کے سامنے جھکنا سیکھا ہے۔ میں اُن لوگوں کا وارث نہیں جنہوں نے درباروں کی دہلیزیں چاٹی ہیں۔ میں اُن کا وارث ہوں جو شہادت کے راستہ میں سروں کو ہتھیلی پر لئے پھرتے ہیں۔

تم میری رائے کو خود فروشی کا نام نہ دو۔ میری رائے بارگی اور اس بیان کو یہیں ختم کر دو۔ میں نے جو کچھ کہا اس پر میرا ضمیر مجھے کسی بھی لمحہ طعن نہیں کرتا۔ خدا شاہد ہے میں نے کچھ بھی اپنے ذاتی مفاد کے لئے نہیں کیا۔

اب پاکستان بن چکا ہے یہ ہمارا وطن ہے اور ہمیں اب اسے ایک سیاسی حقیقت تسلیم کرتے ہوئے اس کی تعمیر اور خدمت میں جت جانا چاہیئے۔ یہ قطعہ زمین ہم نے بے پناہ قربانیوں کے بعد حاصل کیا ہے اور تیرہ سو سال میں آج تک کسی نے آزادی کے لئے اتنی قیمت ادا نہیں کی جتنی ہمیں کرنی پڑی ہے۔ اب اس بیش قیمت ملک کو ہر قیمت پر بچانے کے لئے ہمیں تیار رہنا چاہیئے۔

پاکستان دل جلے مسلمانوں کے دل کی آواز ہے پاکستان بننے پر ہمارے تمام اختلافات ختم ہو گئے پاکستان ہمارا وطن ہے اسکی سلامتی اسکی ترقی اور خوشحالی کیلئے انتھک محنت ہم میں سے ہر ایک کا ایمان ہونا چاہیئے۔ (لاہور۔ ۱۹۴۹)

پاکستان نے جب بھی پکارا واللہ باللہ میں اس کے ذرے ذرے کی حفاظت کروں گا مجھے یہ اتنا ہی عزیز ہے جتنا کوئی اور دعوی کر سکتا ہے۔ میں قول کا نہیں عمل کا آدمی ہوں۔ اس طرف کسی نے آنکھ اٹھائی تو وہ پھوڑ دی جائیگی۔ کسی نے ہاتھ اٹھایا تو وہ کاٹ دیا جائیگا میں اس وطن اور اس کی عزت کے مقابلے میں اپنی جان عزیز رکھتا ہوں نہ اولاد۔ میرا خون پہلے بھی تمہارا تھا اور اب بھی تمہارا ہے (لاہور۔ ۱۹۵۱ء)

آج ہم آزاد ہیں اور میری یہ حتمی رائے ہے کہ آزاد ملک کا کوئی دوست نہیں ہوتا۔ آزاد ملک پر چاروں طرف سے نگاہیں پڑتی ہیں۔ ہر لالچی، طمع۔ سونے چاندی کا بھوکا، زمین کا بھوکا آزاد ملک پر حرص کی نگاہ ڈالتا ہے۔ یہ مت سوچیئے کہ ہماری سرحد ننگی پڑی ہے۔ سرحدیں کپڑوں سے نہیں خون سے ڈھانپی جاتی ہیں۔ جہاں مجاہدوں کا خون بہتا ہے وہاں سرحد بن جاتی ہے۔ جنگ ہو یا نہ ہو آپ کو بہرحال تحفظِ پاکستان کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہیئے۔ (کراچی ۱۹۵۲ء)

وقار انبالوی

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

ترے خمیر میں تھا دردِ سوزِ عشقِ رسولؐ
ترے ضمیر نے حق کے سوا کیا نہ قبول

ترا وجود وفا و خلوص کا قبلہ،
تری نمود میں رنگِ ادائے پورِ بتولؓ

ترا کلام، کلامِ خدا کی شرحِ جمیل
ترا پیام حدیثِ حبیبؐ و نطقِ رسولؐ

تری زبان کی شیرینیاں متاعِ شکر
ترے بیان کی رنگینیاں بہار کے پھول

تری نوائے جگر دوز صورِ حشرِ صغیر
تری صدائے دل افروز برقِ طورِ عقول

تری حیات کے ہنگامے حرکت و اقدام
تری لغات سے خارج رہے جمود و خمول

بچھے جو بزم تو لطف و کرم تری عادت
ٹھنے جو عزم تو ترکِ طلب ترا معمول

حریفِ سحر و فسون و طلسم تیرا خطاب
حلیفِ قند و شکر تیری بات بات کا طول

گلوئے کبر پہ حاوی تھا تیرا دستِ جنون
اسیرِ حلقۂ زنجیر تیرا پائے اصول

شبِ سیاہ غلامی میں نور کی قندیل
پھٹی جو پو، رہا تحویلِ قبلہ میں مشغول

خطیب ایسا یگانہ کہ بے مثال و نظیر
نصیب ایسا کہ بیگانۂ حصول و وصول

خودی کی اوٹ میں فقرِ غیور کا پیکر
عدو پہ چوٹ میں سنجیدگی کا اصل اصول

میسر آئیں ترے قرب کے جو کچھ لمحے
تو عمرِ خضر بھی ان کے عوض کروں نہ قبول

اگرچہ رشکِ شہ و شہریار تھا پیارے
وطن میں بھی تو غریب الدیار تھا پیارے

آغا شورش کاشمیری مرحوم

اور ہم آزاد ہو گئے ......

تاریخ اور صحافت یکساں نہیں، ان میں فرق ہے۔ اخبار نویسی بسا اوقات ایک مرصّع جھوٹ اور مصلحت آمیز سچائی ہوتی ہے، لیکن تاریخ ایک بے لوث، بے باک اور بے رحم صداقت کا نام ہے۔ ہندوستان یا پاکستان کو آزادی ملی تو یہ کسی فرد واحد کی تنہا ہمت یا فراست کا کمال نہیں، یہ ملک کے اجتماعی ضمیر اور قومی انا کا صدقہ تھا، اس ملک کی آزادی جس سے ہم ۱۴ اگست کو متمتع ہوئے ان نوے سال کی جدوجہد کا ثمرہ ہے، مسلم لیگ اس بات کی دعویدار نہیں ہے بے شک پاکستان کے مطالبہ پر اصرار مسلم لیگ نے کیا اور پاکستان جس شکل میں بھی ملا وہ قائد اعظم کی رہنمائی میں ملا لیکن پاکستان یا ہندوستان کی آزادی کا سارا [illegible] ہیں، اور سب سے زیادہ حصہ اُن لوگوں کا ہے جنہوں نے گھر بار لٹا دیا جن کی گمنامی سے ہم نے نام پایا، جنہوں نے کسی شخصی خواہش کے بغیر قید و بند کو لبیک کہا، جو تختہ ہائے دار پر لٹک گئے، جن کی جوانیاں قید خانوں کے لمحوں میں تحلیل ہو گئیں، جن کا لہو خنجر کی دھار پر برستا رہا، یہ غلط ہے کہ پاکستان صرف مسلم لیگ نے بنایا ہے، پاکستان حاصل اس نے کیا لیکن اس کی نیو سید احمد شہید نے رکھی۔

لیگ کے عام رہنما آزادی کے ہیرو بن کر سامنے آتے ہیں تو ہنسی آتی ہے، حتیٰ کہ تاریخ کی فطرت بھی ہنس سکتی ہے، ان کا لیگ کی آزادی میں ہیرو بننا بالکل ایسا ہے جیسا قائد اعظم کے ورثہ پر اُن لوگوں نے قبضہ کر لیا تھا جنہوں نے ملک معظم کی حکومت سے حلف اٹھایا تھا کہ اس کی پشتیبانی کے لیے وہ اپنی جانیں وقف کرتے ہیں، جو آخر تک اس کی بقا اور استحکام کی خاطر ہندوستان میں اور ہندوستان سے باہر لڑتے رہے، جن کا خمیر ضمیر و دل برطانیہ کے لیے گندھے ہوئے تھے۔

انقلاب عوام برپا کرتے ہیں جو ہمیشہ خواص کے خلاف ہوتا ہے۔ ہر انقلاب میں تلواروں کی اصل زد حکمرانوں کی کھوپڑیوں پر پڑتی ہے لیکن اس انقلاب میں جو ہندوستان اور پاکستان میں ہو رہا تھا اگر کوئی طبقہ محفوظ تھا تو وہ حکمران تھے، ۱۸۵۷ء کا فاتح انگریز ۱۹۴۷ء میں آزادی کا محلل ہو گیا تھا، یہ ایک "پُرامن انقلاب" تھا، جس میں عوام کے خلاف سب سے زیادہ بد امنی تھی، کسی ملک کے انقلاب کی تاریخ کبھی اس طرح مرتب نہیں ہوئی جس طرح برِعظیم کی تاریخ مرتب ہو رہی تھی، مقتولوں نے قاتلوں کو ہدیۂ تبریک پیش کیا، اور اپنے قبیلے کے سر کاٹ کے خود ان کے پاؤں میں ڈھیر کر دیئے، یہ آزادی کا وہ ارمغان تھا جو ہندو اور مسلمان اظہارِ تشکر کے طور پر ڈلہوزی اور کلایو کے جانشینوں کو پیش کر رہے تھے، کانگرس نے کوکناڈا کانگرس (محمد علی جوہر) کے خطبۂ صدارت سے لے کر رام گڑھ کانگرس (ابوالکلام آزاد) کے خطبۂ صدارت تک کو آگ لگا دی، اس کے لیے یہ سب کاغذ کے بیکار پرزے تھے، گویا سردار پٹیل نے مختار احمد انصاری کا وہ گھر جلوا دیا جو کبھی کانگرس کی مجلس عاملہ کے اجلاسوں کا مرکز رہا تھا، لیگ نے سید احمد شہید سے لے کر عطاء اللہ شاہ بخاری تک سب کی جدوجہد آزادی کو تنہا ہضم کر دیا، قائد اعظم نے لیگ [illegible] کی زبان کو [illegible] پکڑ دیا انہیں فخر تھا کہ پاکستان ان کے علاوہ ان کے ٹائپ رائٹر نے حاصل کیا ہے اور بس۔

۱۴ اگست پاکستان کا یوم آزادی ضرور تھا اور واقعی یوم آزادی تھا، لیکن عجیب انقلاب تھا کہ عوام مر رہے تھے اور خواص عیش کر رہے تھے۔ راس کماری سے امرتسر تک اور سلہٹ سے ڈھاکہ تک یا پھر کلکتہ سے دہلی تک اور راولپنڈی سے جیبر تک سارا برِعظیم لہو لہان تھا، فی الجملہ ایک مذبح عظیم تھا۔

۱۵ اگست کو ——— رات بارہ بج کر پانچ منٹ پر ہندوستان کی آزادی کا سرنامہ پڑھا گیا، جواہر لال کے ساتھ خلیق الزماں نے بھی ترنگے کو سلام کیا، وفاداری کا حلف اٹھایا، لیکن ابوالکلام جس نے وزارتی مشن سے پروانۂ آزادی حاصل کیا تو اپنی اقامت گاہ کے تکیہ میں چپ چاپ پڑا تھا، اس کا دل ڈوب رہا تھا وہ سوچ رہا تھا — کہ

دن گنے جاتے تھے اس دن کے لیے؟

اس کا نطق مہر بلب ہو گیا تھا، وہ ابوالکلام نہیں رہا کچھ اور ہو گیا تھا، اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا، اس کی شیوہ بیانی نے تحت الشعور میں اعترافِ شکست کر لیا تھا، اس کی خوشیاں مصنوعی ہو گئی تھیں، اس کے تبسم کو غم کی چاشنی نے مجروح کر دیا تھا، وہ اپنے احساسات کی قبر میں لیٹ گیا تھا، پارلیمنٹ کے باہر ہزاروں سادھو شنکھ بجا رہے تھے، لیکن ابوالکلام تنہائی میں آنسو بہا رہا تھا، لاکھوں ہندو ملک میں اچھل کود رہے تھے، اُن کے ساتھ نیشنلسٹ مسلمانوں کا ایک ہجوم بھی کھوکھلے قہقہے لٹا رہا تھا۔ لیکن کروڑوں مسلمان اس صبح کے خوف سے دل گرفتہ تھے جو ان کے لیے دشنہ و خنجر لے کر طلوع ہو رہی تھی۔

ہندوستان اور پاکستان میں سب سے برا حال ان مخلص اور مخلص نیشنلسٹ مسلمانوں کا تھا جو ہندوؤں کی نگاہ میں مسلمان تھے اور مسلمانوں کی نگاہ میں ہندو، ان کی قربانیاں چتا کی راکھ ہو گئی تھیں، ان کی استقامت پر پھبتی کسا جا رہا تھا، ان کے حوصلے ستاروں کی طرح ٹوٹ گئے تھے، ان کا وجود کہیں کا نہ رہا تھا، وہ چوبِ مسجد کی طرح سوختنی تھے نہ فروختنی، ہندوستان نے انہیں پناہ دینے سے انکار کر دیا تھا جس کی آزادی کے لیے وہ انگریزوں سے لڑتے رہے، حتیٰ کہ اپنی قوم کے قہر و غضب کا شکار ہو گئے؛ اس آزادی کا ثمر بھی ان کو نہیں ملا تھا، وہ اس دور افتادہ صدا کی طرح تھے جو صحراؤں میں بلند ہو کر ریت کے ذروں میں اتر جاتی ہے، پاکستان ان کے لیے ایک سیاسی یتیم خانہ تھا جس کا نام ذہن سے نفرت کرتا اور شبہ کی نظر سے دیکھتا تھا، وہ آزادی کی خوشیوں سے یکسر محروم ہو چکے تھے، ۱۴ اگست کا طلوع ان واقعی عظیم دن تھا جسے وہ اپنے گھروں کی چار دیواری میں گزار رہے تھے، لیگ نے انہیں اچھوت بنا دیا اور ہندوستان میں سیاسی ہریجن ہو گئے تھے، ہندوستان میں سنکھ پھونکے گئے، پاکستان

میں نغمہ [illegible] گیا۔ آل انڈیا ریڈیو نے آزادی کا اعلان بندے ماترم اور پاکستان ریڈیو نے کلام اللہ کی تلاوت سے کیا، لیکن دن چڑھے دونوں طرف کی اقلیتوں کو آزادی کے نام پر قتل کیا جانے لگا، اٹھارہ مہینے کی لڑائیاں ۱۴ اور ۱۵ اگست کو یک طرفہ ہوکر شدید ہوگئیں، ہندوستان میں مسلمان گاجر مولی ہوگئے، پاکستان میں ہندو اور سکھ کٹنے لگے۔ اب فساد فرقہ وارانہ نہیں رہا، بلکہ اکثریت کے ہاتھوں اقلیت کا قتلِ عام ہوگیا۔ گھر اور بھاگ رہے تھے شہر اُجڑ رہے تھے، لڑکیاں کیلے کی چھلیاں ہوگئیں، انہیں اس طرح ننگا کیا جا رہا تھا گویا چھلکا اتارا جا رہا ہے، نوجوان باداموں کی طرح توڑے جا رہے تھے۔ بوڑھوں کو سوکھی لکڑیوں کی طرح جلایا جا رہا اور ادھیڑوں کو آلوؤں کی طرح دفنایا جا رہا تھا

ہندوستان کی طرح پاکستان میں بھی لوٹ مار کا بازار گرم تھا صبح و شام آگ لگتی، گولیاں چلتیں، انسان مارے جاتے اور ادھر ادھر کے اسٹیشنوں پر گاڑیاں روک کر قتلِ عام کیا جاتا، مشرقی پنجاب سے ڈاکٹر کچلو کو بھی نکلنا پڑا، وہاں کسی جماعت کے لیے جگہ رہ گئی تھی تو صرف قادیانی کیمپ، جن کے متعلق ایک کانگرسی رہنما نے لکھا تھا کہ وہ دوسرے مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ سچے ہندوستانی ہیں کہ ان کا نبی عرب سے نہیں، ہندوستان سے ہے۔ سکھوں اور ہندوؤں کے بعض رہنماؤں کا خیال تھا کہ پاکستان اور ہندوستان میں جب کبھی اکھنڈ بھارت یا انضمام کا وقت آیا تو قادیانی جماعت ہی بہترین ذریعہ بن سکتی ہے کیونکہ ان کی وفاداری ایک تو عرب اسلام سے نہیں دوسرے انہیں دنیا کے مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں، وہ انہیں کافر سمجھتے ہیں، تیسرے وہ مدینہ سے کہیں زیادہ قادیان کے وفادار ہیں۔

پاکستان کے قیام کی خاطر جو خون خرابہ ہوا اور مسلمانوں کو جو قیمت ادا کرنی پڑی وہ غیر متوقع نہیں بلکہ متوقع تھی۔ قوموں کی زندگی انہی حادثوں سے بنتی ہے، ایک کا خون دوسرے کے چہرہ کا غازہ ہوتا اور ایک کی ہڈیاں دوسرے کے سہرے کا پھول ہوتی ہیں۔ شاخیں کاٹنے ہی سے پھول کھلتے اور ٹہنیوں کا حسن نکھرتا ہے ـــ پاکستان بلاشبہ ہندوستان کے مسلمانوں کی ہر قومی قربانی کا نام تھا، نعرے ہمیشہ طربناک ہوتے ہیں، مطالبے خطرناک اور مجاہدے اندوہناک، پاکستان کے سفر کو عوام اگر گلگشتِ چمن سمجھے تھے تو یہ ان کا حسنِ ظن تھا جو قومی سیاست میں جذباتی نعروں کی وجہ سے ہو جاتا ہے، اگر سات آٹھ لاکھ مسلمانوں کی بے دریغ قربانی سے پاکستان میں اسلام کی نشاۃِ ثانیہ ہو جاتی تو کوئی قیمت نہ تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ رہنماؤں کے دماغ روز بروز دوشیزہ کم کم کبھی ہوتے گئے ہیں۔ ایک روزنامہ آزاد میں لکھا تھا کہ اس تقسیم کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندوستان میں مسلمان اور پاکستان میں اسلام نہیں رہے گا، ہندو ذہنیت کی کوشش ہوگی کہ ہندوستان کے مسلمان مرتد ہوجائیں، قتل ہوجائیں یا مفرور ہوجائیں، مسلمانوں کو پاکستان میں رفتہ رفتہ جن لوگوں سے واسطہ پڑے گا وہ اسلام کے عائد کردہ فرائض سے پہلو تہی کریں گے، وہ پاکستان میں اسلام کا ایک نیا تجربہ کریں گے، ان کی اندرونی کوشش ہوگی کہ پاکستان ایک سیکولر اسٹیٹ بن جائے جو امراء کے ہاتھ میں دست پناہ ہو لیکن یہ کبھی نہیں چاہیں گے کہ پاکستان اسلام کی ریاست بنے یا عوام کی ریاست ہو۔

بہرحال جو کچھ ہوا وہ ناگزیر تھا، دونوں قومیں برطانوی ہندوستان میں اپنے اختلافات کو اس حد تک لے گئی تھیں کہ ان میں متحدہ قومیت کے آثار کا پیدا ہونا ناممکن تھا۔ لیکن [illegible] سیاسی تحریکوں کی اصل محرک ہم اخلاقی قدروں پر نہیں ہوتی اور ان میں عوام کے جذبات کو مشتعل کرکے مذہب کو صرف نعرہ اٹھانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، لہٰذا مذہب کے نام پر جو کچھ ہوا، جو کچھ ہو رہا تھا وہ مذہب کے خلاف تھا جنونیوں نے مذہب کو اپنی وحشت کا نام دے دیا تھا ـــ ان لوگوں نے ہندومت، سکھ دھرم اور دینِ اسلام کے نام پر اتنے مظالم کیے [illegible] بے حجاب آ گیا تھا، وہ ہندو، سکھ اور مسلمان سرِ بازار کہ انسان کی بات کرتے تھے لیکن حقیقتاً ان کے اندر سے اخلاق، مذہب اور انسانیت کا جنازہ اٹھ چکا تھا۔

۱۴ اگست کی رات بہرحال ختم ہو رہی تھی، اور یہ ۱۵ اگست کا سرِ آغاز۔ نصف شب بارہ بج کر ایک منٹ پر ریڈیو نے پاکستان بن جانے کا اعلان کیا۔ کلام اللہ پڑھا گیا، ظفر علی خاں کی نعت گائی گئی، پھر ـــ

اے قائد اعظم تیرا احسان ہے احسان

گایا گیا، ہم [illegible] آزادی کے لیے [illegible] سال جیل میں رہے اور جن کا ایک ہی نصب العین تھا کہ اس ملک پر انگریزوں کا کوئی حق نہیں ہے، اس طرح چھپتے پھر رہے تھے جس طرح ایک بیوہ اپنے آنسوؤں کو بھائیوں کے خوف سے آنچلوں میں چھپاتی اور زندہ ہوتے ہوئے [illegible] جذبات دفن کرکے مٹی بھی قبر ہو جاتی ہے۔

ابھی تو نہ صبح ہوئی تھی [illegible] کی [illegible] صدا بلند ہو رہی تھی، اللہ اکبر کا [illegible] اعلان ہو رہا تھا ـــ میں نماز پڑھ کر [illegible] گیا، دوبارہ اٹھا تو ریڈیو بج رہا تھا [illegible] ریڈیو پاکستان لاہور سے قاری قرآن پاک کا ترجمہ سنا رہا تھا:

"اور ان کو مردہ مت کہو، جو اللہ کی راہ میں مارے گئے، وہ زندہ ہیں، لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں ہے" (منقول از بوئے گل)

رشوت کے کرشمے

رشوت سے گھر بھی بن گیا اور حج بھی کر لیا
سب کام غیب سے تہہ افلاک ہو گئے
بعد طواف غسل بھی زمزم سے کر لیا
دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہو گئے

آزادی!

حضرتِ احسان دانش رح

نبوت ہے سراپا جذبۂ تعمیرِ آزادی
شہادت مستقل اک سرخیٔ تحریرِ آزادی

لہو برسا، بہے آنسو، لٹے رہرو، کٹے رشتے
ابھی تک نامکمل ہے مگر تعمیرِ آزادی

فضائیں کر رہی ہیں ذوقِ ایثار و عمل پیدا
لہو میں دوڑتا ہے شعلۂ تاثیرِ آزادی

لہو موسم نے رویا گردشِ گردوں نے رخ بدلا
مرے خوابوں کو جب بخشی گئی تعبیرِ آزادی

مجھے ہر نامناسب بات پر تنقید کا حق ہے
مری تخریب سے تعبیر ہے تعمیرِ آزادی

مجاہد کوہ و دریا کی حدوں میں رہ نہیں سکتے
ہماری جنگ ہو گی جنگِ عالمگیرِ آزادی

غلامی کے دھوئیں اڑنے لگے بھرپور کونے
فضاؤں میں جو گونجا نالۂ شبگیرِ آزادی

جو کہنا تھا اُسے سب کہہ گیا قرآں کے پردے میں
زمانہ حشر تک کرتا رہے تفسیرِ آزادی

مجھے دنیا کے ہر گوشے میں قندیلیں جلانے دو
مرا مذہب ہے اک پیغامِ عالمگیرِ آزادی

رہے گا دینِ فطرت پھیل کر اقصائے عالم میں
نہیں ہے بے خدا سرحد خطِ تقدیرِ آزادی

زمانے کو اب آزادی کے معنی ہم بتائیں گے
غلط ہوتی رہی ہے آج تک تفسیرِ آزادی

مقالہ محرم
حضرت عامر عثمانی مرحوم

مقامِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

صحیح یہ ہے کہ یزید و معاویہؓ کے سلسلہ میں عوام کے خیالات غصہ سے زیادہ نرمی اور تاؤ سے زیادہ علم کے متقاضی ہیں۔ وہ بیچارے نہ معتد بہ علم رکھتے ہیں نہ گہری بصیرت۔ جس ماحول میں انہوں نے آنکھیں کھولیں، پلے، بڑھے، وہاں یزید کی شخصیت ایک ابلیس مجسم کی حیثیت میں متعارف تھی۔ شیعہ پروپیگنڈے سے متاثر حضرات کا یہ عالم تھا کہ آنکھیں بند کرکے یزید کے فسق و فجور پر ایمان رکھتے تھے۔ یہ نفسیات کا مسلمہ ہے کہ آدمی اگر پہلے سے کوئی عقیدہ دل میں لئے بیٹھا ہو یا کوئی خاص میلان و رجحان رکھتا ہو تو اس کے دل و دماغ کو وہی دلائل و شواہد زیادہ اپیل کرتے ہیں جو اس کے عقیدہ و میلان کی تائید میں ہوں اور ان دلائل و شواہد کو وہ نظر انداز کر دیتا ہے۔ یا ان کی تاویل کر لیتا ہے۔ جو اس کے عقیدہ و میلان کی تردید کر رہے ہوں یہی عام ... میں ہوتا ہے اور یہی یزید و معاویہ کے مسئلہ میں بھی ہوتا رہا۔ آج سے ... پہلے سے حضرت معاویہؓ کے غالی مخالفین کا پروپیگنڈہ اور کذب و افترا نہ صرف کم علم عوام بلکہ پڑھے لکھے خواص کو بھی متاثر کرتا چلا آ رہا ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ابتداء میں جن لوگوں نے دورِ خلافت اور اس کے بعد کی تاریخیں لکھیں وہ حبِ علیؓ کے نام پر بغضِ معاویہ کے شکار تھے اور حضرت معاویہ کو ملعون و مبغوض ٹھہرانے کا سب سے بہتر راستہ انہیں یہ نظر آیا کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے جس بیٹے کو خلافت کے لئے نامزد کر دیا تھا، اسے جی بھر کے ملعون و مردود اور فاسق و فاجر دکھلا دیں، اس کا قدرتی اور لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ حضرت معاویہؓ کی دیانت، دین داری اور حق پرستی خود بخود مجروح بلکہ مذبوح ہو کر رہ جائے گی۔ چنانچہ وہ اپنی اس چال میں خوب کامیاب ہوئے اور ہر شخص دیکھ رہا ہے کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے اہلِ سنت امیر معاویہؓ کے بارے میں سخت ناگفتہ بہ خیالات کے اسیر ہیں اور حضرت حسینؓ کی مظلومیت کا پس منظر انہیں اس قدر ورغلا گیا ہے کہ ایک عظیم صحابیؓ کی صحابیت بھی ان کی نظر میں کوئی وزنی شے باقی نہیں رہ گئی۔ حالانکہ اگر وہ حضرت حسینؓ کی مظلومیت کو جذبات کی بجائے بصیرت و تدبر کی عینک سے دیکھتے اور رطب و یابس سے بھری ہوئی تاریخوں کے عوض محفوظ و مضبوط روایات پر تکیہ کرتے تو بالیقین ان پر واضح ہوتا کہ امیر معاویہؓ ایک جلیل القدر صحابی ہونے کے علاوہ دورِ اول کے ان ممتاز ترین مدبرین میں سے ہیں جن پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے معاملہ فہم، مردم شناس اور بے لاگ مدبر نے آخر عمر تک بھروسہ کیا اور جن پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے عظیم صحابی نے مکمل اعتماد کا قولاً و عملاً اظہار فرمایا۔ وہی تنہا گورنر ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ و شر کی آگ تمام بلادِ اسلامیہ میں سلگائی جا رہی تھی، ان کے زیرِ نگیں شام میں کوئی فاسد تحریک نہیں اٹھی اور جب مصر، کوفے اور بصرے سے باغی مدینے پہنچے تو شام کا ایک فرد بھی ان میں شامل نہیں تھا۔ ہم یقین سے کہتے ہیں کہ اگر حضرت عثمانؓ حضرت معاویہؓ کے انتہائی مدبرانہ مشوروں کو قبول فرما لیتے تو واقعات یوں نہ پیش آتے جس طرح پیش آئے۔

یزید سے ہمیں براہِ راست کوئی دلچسپی نہیں۔ ہمارا احساس تو حضرت معاویہؓ کی حرمت و آبرو کے تعلق سے تڑپ اٹھتا ہے۔ اور حضرت معاویہؓ کی حرمت و آبرو بھی ہمیں اس لئے مطلوب و محبوب نہیں ہے کہ وہ اموی تھے بلکہ اس لئے مطلوب و محبوب ہے کہ وہ صحابی تھے، کاتبِ وحی تھے۔ رسول اللہؐ نے ان کے تفقہ کو سراہا ہے۔ ان کے والد ابو سفیانؓ کی فتح مکہ کے موقعہ پر رسول اللہؐ نے اتنی بڑی پاسداری کی ہے کہ تاریخ اس کی نظیر نہیں لا سکتی۔ ان کی عزت ہمارے اس عقیدے کی عزت ہے جو جملہ صحابہؓ کے بارے میں ہم رکھتے ہیں بلکہ یوں کہئے جملہ اہلِ سنت رکھتے ہیں۔

البتہ یزید کی جو منقبت اور عظیم تعریف بخاری کی حدیث میں آئی ہے۔ اس کے باعث ہم دانستہ خود اس پر لعن طعن کر سکتے ہیں نہ ان لوگوں کو اس کا مشورہ دے سکتے ہیں۔ جو بخاری کی عظمت اور مقام سے واقف ہیں۔ بخاری وہ کتاب ہے کہ اسناد کی عمدگی اور مضبوطی کے پہلو سے تمام امت اسے قرآن کے بعد سب سے صحیح اور مستند کتاب مانتی ہے۔ اس میں جو روایت آ جائے اس کے خلاف روایات کے ہزار دفتر بھی نامعقول ہیں۔ جب تک کہ یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ بخاری کی سند کمزور اور مخالف روایات کی اسناد مضبوط ہیں۔ یزید و معاویہ کے بارے میں جو کتبِ تاریخ متداول اساس کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان کی روایات کا بخاری کے مقابلہ میں مضبوط ہونا تو کجا وہ تو اہلِ علم کے نزدیک اس قابل بھی نہیں کہ روایاتِ محدثین کی کسی بھی صف میں انہیں جگہ دی جائے پھر یہ کون سا ایمان و دیانت ہے کہ آسانی سے مان لے کہ (بخاری) میں تو اللہ کے سچے اور برگزیدہ رسول فداہ امی و ابی حضرت امیر معاویہؓ اور یزید کے جنتی ہونے کی بشارت دیں اور غلامانِ رسول کے لئے یہ جائز ہو کہ ضعیف و موضوع روایات کے سہارے اور کذب و افترا پر مشتمل پروپیگنڈے سے مغلوب و متاثر ہو کر یزید کی شیطنت کا ڈھنڈورا پیٹیں، اسے جہنمی قرار دیں اور کبھی ڈھکے چھپے، کبھی کھلم کھلا حضرت معاویہؓ پر چھینٹے اڑائیں، ان کی دینداری کو مجروح کریں، انہیں دشمنِ رسول باور کرائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اول جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا۔	میری امت کے اس پہلے گروہ نے اپنے لئے جنت واجب کر لی جس نے بحری جنگ لڑی۔

تاریخ ناقابلِ تردید طور پر شاہد ہے کہ اسلام میں سب سے پہلی بحری جنگ حضرت معاویہؓ نے لڑی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بحری جنگ لڑنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ حتیٰ کہ اس کی اجازت طلبی پر انہوں نے حضرت معاویہؓ کو سخت جواب بھی دیا جس کے بعد انہیں اصرار کی جرأت نہ ہو سکی، اس کے بعد حضرت عثمانؓ

کا دور آیا تو انہوں نے اجازت دے دی اور حضرت معاویہؓ نے بحرِ روم کے مشہور جزیرے قبرص پر حملہ کر کے فتح حاصل کی۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودے پر ہماری جانیں قربان۔ وہ مسلمان ہی کب ہو سکتا ہے جو قولِ رسولؐ پر کامل بھروسہ نہ کرے۔ ذرا دیکھئے اسی حدیث میں ایک ایسی پیشین گوئی بھی ہے جو پوری ہو چکی۔ اس حدیث کی راویہ حضرت اُم حرام رضی اللہ عنہا ہیں۔ وہ فرماتی ہیں۔

قلتُ یا رسول اللّٰہ انا فیھم قال انتِ فیھم۔

میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا ہم بھی اس میں (پہلے بحری لشکر میں) ہوں گے، حضور نے فرمایا، ہاں تم بھی ایسی ہوگی

اور تاریخ گواہ ہے کہ قبرص پر حملہ کرنے والے لشکر میں اُمِ حرام بنت ملحان اور ان کے شوہر عبادہ بن صامتؓ شامل تھے۔ پھر ساحل قبرص پر اترنے کے بعد ان کا گھوڑا بدکا، جس سے گر پڑیں اور مر گئیں، ان کے اسی طرح مرنے کی پیشین گوئی بھی کتب احادیث میں موجود ہیں۔

اب آگے چلئے۔ یہی اُمِ حرامؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا۔

اوّل جیشٍ من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفورٌ لھم فقلتُ انا فیھم یا رسول اللّٰہ قال لا۔

میری امت کا سب سے پہلا لشکر جو شہر قیصر (مملکت روم) پر حملہ کرے گا اس کی مغفرت مقدر ہو چکی ہے۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا ہم بھی ایسی ہوں گے، حضور نے جواب دیا نہیں۔

اور تاریخ شاہد ہے کہ قسطنطنیہ پر حملہ آور ہونے والی پہلی مسلمان فوج وہی ہے۔ جو یزید کی سرکردگی میں مصروفِ جہاد ہوئی تھی۔ اس میں ابنِ عمرؓ ابنِ عباسؓ، ابنِ زبیرؓ ابو ایوب انصاری اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہم جیسے اکابر صحابہ شریک تھے۔ جب استاذ المکرم حضرت مولانا حسین احمد مدنی طاب اللہ ثراہٗ کے درسِ بخاری میں یہ حدیث ہمارے سامنے آئی تو حقیقت میں ہم بھی انہی لوگوں میں تھے جو یزید کو ایک مجسم شیطان کی حیثیت سے جانتے تھے۔ اس وقت ہم کانپ اٹھے، لرز گئے نعوذ باللہ من ذالک جس شخص کے جنتی ہونے کی سردار دو جہاں صادق و مصدوق محبوب سبحانی خاتم النبیین الف الف مرۃ علیہا الصلوٰۃ والسلام خبر دیں۔ اسے ہم ملعون و مردود جیسی حالانکہ ہماری آنکھوں نے اس کا کوئی فسق و فجور نہ دیکھا ہو، ہم نے توبہ کی، اور اسی دن سے کتب تاریخ پر براہِ راست نظر ڈالنے کا تہیہ کیا۔ چنانچہ قدیم ملتی جتنی بھی کتابیں ہمیں میسر آسکیں۔ ان میں یزید و معاویہ کے حالات پڑھے، جو عبارت سمجھ میں نہ آئی، استادوں سے سمجھی، جن روایتوں کی کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی تھی ان کے راویوں کی تحقیق کے لیے اسماء الرجال کی کتابیں چھانیں۔ حال یہ کھلا کہ حضرت معاویہ پر طعن لانے والی روایات کے راویوں کا تو ایک بھی سلسلہ سند ایسا نہیں ہے جس میں کوئی شیعی یا متروک یا مجہول راوی شامل نہ ہو اور یزید پر طعن لانے والی روایات میں بھی ایک بھی سلسلۂ سند ایسا نہیں ہے جو فنِ روایت کے معیار پر کھرا اتر سکے، زیادہ تر تو ایسے راوی ان اسناد میں ملتے ہیں جنہیں اسماء الرجال کی کتابوں میں کذاب، مفتری، وضاعِ مدلس وغیرہ بتایا گیا ہے۔ اس کے مقابلے میں ان روایات سے حضرت معاویہ کی ایمانداری اور یزید کی اعتراض سے بالاتر عملی حالت کا پتہ چلتا ہے ان میں سے بعض تو سند کے پہلو سے بخاری و مسلم کی ٹکر کی ہیں۔ بعض ان سے ہلکی ہیں۔ مگر مردود و متروک نہیں اور کم سے کم متقابل روایات کی اسناد سے بمراتب اعلیٰ ہیں۔ ایسی صورت حال میں ہماری یہ خلش بھی دور ہوگئی کہ یزید کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی کیوں بتایا۔

مسلمان بیچاروں کی غلط فہمیاں جہل و نادانی کی کن گھاٹیوں تک ٹھوکریں کھانے جا رہی ہیں۔ اس کا اندازہ اس عبارت سے کیجئے جو ایک دوست نے خط میں نقل کر کے بھیجی ہے

"یزید ایک پھکڑ، رند اور نہایت ہی بدشکل نوجوان تھا جس کو حکومت کے کاموں کے بجائے کتوں، بندروں، عورتوں، شراب اور گانے سے بے حد دلچسپی تھی۔ یزید نے چونکہ امیر معاویہؓ کے دورِ امارت میں آنکھ کھولی تھی۔ شہزادگی کی زندگی بسر کی تھی اس لئے جوان ہوتے ہی وہ عشرت پسندی کا شکار ہو گیا۔ وہ ہر وقت شراب کے نشے میں بدمست رہتا تھا۔ اس کی کوئی مجلس شراب و کباب کے ذکر سے خالی نہ ہوتی تھی۔ انتہا یہ کہ حرمین شریفین میں بھی شراب ساتھ رہتی تھی۔ نشہ میں آیات قرآنی کے استخفاف سے بھی باز نہ رہتا تھا، رمضان میں بھی شراب پینے سے باز نہ رہتا تھا۔ سوتیلی ماؤں اور بہوؤں اور بھتیجیوں تک سے نکاح جائز کہتا تھا۔ یزید کی انتہائی معصیت شعاری کا یہ عالم تھا کہ اس نے (نعوذ باللہ) ام المومنین حضرت عائشہ تک کو نکاح کا پیغام بھجوایا۔ نماز روزے سے اسے کوئی سروکار نہ تھا۔ لہو و لعب میں ہر وقت مصروف رہتا تھا۔"

یہ ایک ایسے رسالے کے مضمون کی عبارت ہے جو اہلِ سنت ہونے کا مدعی ہے اور حدیث پر ایمان رکھتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس عبارت میں جو کچھ کہا گیا وہ اس حسن نیت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ یزید کو جتنا مردود ثابت کریں گے حضرت حسین کی مظلومیت و عظمت اتنی ہی فزوں ہوگی۔ اور لکھنے والے کو یقین ہوگا کہ وہ آج بھی نیک عمل کر رہا ہے لیکن اس کو کیا کہئے کہ حسن نیت اور یقین کی بنیاد جہالت، کند ذہنی اور بے خبری پر ہو تو اس سے سوائے نقصان کے کوئی فائدہ نہیں نکل سکتا۔ عالمگیر بدظلم و شقاوت کے جو الزامات بعض متعصب مؤرخین نے لگائے ہیں وہ شاید کذب و افترا کا ایسا گھناؤنا پلندہ نہ ہوں۔ جتنا یزید پر لگائے ہوئے الزامات کا یہ پلندہ ہے اسے جھوٹ کہئے کہ یہ سند فن گھڑت باتیں کہاں سے آئیں اور اپنے عامے سمجھداروں کی عقل پر بھی پتھر پڑے، اسے دیکھنے کہ یزید کو ایسا ہی بدکار اور لعین مان لینے کے بعد ان حضرت معاویہؓ کی دینداری، حق پسندی شرافت اور عظمت صحابیت کا کیا حشر ہوتا ہے۔ جنہوں نے یزید کو علیحدہ نامزد کیا تھا۔ اور ان بے شمار صحابہؓ کی حق گوئی کس درجہ میں لائق اعتبار رہ جاتی ہے۔ جنہوں نے اس نامزدگی کو خلاف شرع نہیں سمجھا تھا۔ بلکہ جب یزید خلیفہ ہو گیا تو اس کی بیعت کی اور ان عالی مقام صحابہؓ کے ہوش و حواس کہاں تک سالم نظر آتے ہیں جنہوں نے یزید کی سرکردگی میں جہاد کیا۔ یزید کی امامت میں نمازیں پڑھیں، یزید کے ہدیے اور وظیفے قبول کئے۔

سوچیئے ایک حضرت حسینؓ کی مظلومیت و حق پسندی میں چار چاند لگانے کے لئے بھولے لوگ کس، مقدس گروہ کی حرمت و ناموس۔ کہ کتنے ادھیڑ رہے ہیں آپ سنجیدگی سے غور کریں گے تو محض ایک۔ ہی جواب ملے گا کہ یہ کردہ عمل صرف ان لوگوں کا ہو سکتا ہے جو تنہا علی کرم اللہ وجہٗ اور خاندان ہاشمی

ہی کو عظمت و تقدس کے تمام اختیارات عطا کر کے باقی صحابہؓ سے ان کی عظمتیں چھین لینا چاہتے ہیں اور اس مقصد کے لئے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو اپنے مشن میں کامیابی اس لئے ہو جاتی ہے کہ عوام اہل سنت اور خواص کے اکثر افراد واقعات کربلا کے پیدا کردہ جذبات کی طوفانی رو میں قوت نقد و نظر کھو بیٹھے تھے۔ کون نہیں جانتا کہ جب جذبات کے بادل گھر آتے ہیں تو عقل و علم اور فکر و نظر کے نجوم چھپ جاتے ہیں۔ حالانکہ جذبات اگر غلبہ نہ پالیتے تو یہ سمجھنے میں کسی بڑی ذہانت کی ضرورت نہ تھی کہ مظلومیت حسینؓ یزید کی ملعونیت اور حضرت معاویہؓ کی تخفیف پر منحصر نہیں ہے۔ وہ تو ایسے مظلوم تھے کہ یزید کو متہم کئے بغیر بھی انہیں مظلوم کہا جا سکتا تھا۔

خدا جانے لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یزید کو گالیاں دے کر خواہ مخواہ اپنے سر ایسی ذمہ داری لیتے ہیں۔ جس کو کوئی حقیقی فائدہ متصور نہیں۔ اور خدا جانے ان اہلِ علم پر کیا افتاد پڑی ہے جو یہ جانتے ہوئے بھی کہ خلافت یزید اور بیعت یزید کے معاملہ میں کتنے ہی ممتاز صحابہؓ کا بھی ایک نقطہ نظر ہے۔ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں گویا حضرت حسینؓ کے مقابلہ میں کسی بڑے سے بڑے صحابی حتیٰ کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ تک کی رفعت و مرتبت کسی ادنیٰ رعایت و لحاظ کی مستحق نہیں ہے۔ خدا حضرت حسینؓ اور حضرت معاویہؓ و دیگر صحابہ کرامؓ پر رحمت فرمائے وہ سب اتنے اونچے، اتنے مقدس اور اتنے معظم تھے کہ ان میں سے کسی ایک کو خائن و بدکار کہنے یا ثابت کرنے والا عذاب نار سے نہیں بچ سکتا۔ یزید کیسا تھا کیسا نہیں اس سے ہمیں کوئی سروکار نہ ہوتا اگر ہم یہ نہ دیکھتے کہ حب حسینؓ اور بغض یزید کی آڑ لے کر کل رسول کی تکذیب کی جا رہی ہے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کے دامن حرمت کو داغدار دکھانا مقصود ہے۔ صحابہ سب کے سب بالفاظ حدیث "نجوم" کی مانند ہیں۔ ان کے ناموس کی جائز حمایت میں یہ توفیق ایزدی ہم سلواتوں اور بدگمانیوں سے بھی کچھ زیادہ سہہ جانے کو اپنے لئے فلاح دنیا کا سبب سمجھتے ہیں۔ ہمارا اٹل عقیدہ ہے کہ صحابہ کی دینی عظمت کو نظر انداز کر کے دین و ایمان میں کچھ نہیں رہ جاتا۔ کاش سادہ دل عوام اور جذبات زدہ خواص اسے سمجھیں

یزید کو اگر ہم فاسق و فاجر مانتے ہیں تو لازماً یہ بھی ماننا ہوگا کہ حضرت معاویہؓ نے اسے خلافت کے لئے نامزد کر کے دیدہ و دانستہ ایک عظیم و کبیر گناہ کیا۔ اور یہ گناہ وقتی و ہنگامی نہیں تھا بلکہ وہ مرتے دم تک عزم کے ساتھ اس پر جمے رہے۔ یہ ایسی مکروہ دنیاداری ہے جو صحابیت کی شان سے بالکل جوڑ نہیں کھاتی اور ایک معاویہؓ کیا، ان تمام رفیع الشان صحابہؓ کو بھی معاذ اللہ بے حمیت، بزدل، بےحس اور حمایت دین کے جذبے سے عاری ماننا پڑے گا۔ جنہوں نے ایک فاسق و فاجر کی نامزدگی پر کوئی داد ویلا نہیں کی بلکہ اسے ایک ایسی شے جانا جس میں کوئی قبح نہیں تھا اور وقت آنے پر اس طرح بیعت کر گزرے جس طرح ایک مستحق خلیفہ کی کی جاتی ہے۔

اے لوگو! ہوش کے ناخن لو۔ حضرت سیدنا حسینؓ کی سستی حمایت اور ظالموں کی بچکانہ نفرت کے چکر میں یہ نہیں سمجھ رہے ہو کہ ماتم حسینؓ کی نمائش اور فسق یزید کا پروپیگنڈہ دراصل ایک نقب ہے عظمت صحابہ کی دیوار میں جس کی راہ سے صحابہؓ کا ناموس و آبرو لوٹنے اور لٹوانے کی مساعی صدیوں سے جاری ہیں۔ یزید اگر فرض کرو عاصی و گمراہ تھا تو اسے اپنی آگ میں جلنے دو۔ تم لعنتوں اور سلواتوں سے اس کی تواضع نہیں کرو گے تو دوزخ کی آگ ٹھنڈی نہیں ہو جائے گی۔ اور حضرت معاویہؓ نے اگر اسے خلیفہ بنا کر واقعی کوئی معصیت کی تھی تو ان سے بھی اللہ نمٹ لے گا۔ ظاہر ہے کہ اللہ کو انصاف کرنے کے لئے تمہاری راہ نمائی کی احتیاج نہیں ہے۔ تم یزید و معاویہ کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے کے لئے عدالتیں مت سجاؤ بلکہ اپنی گردنوں پر مسلط موجودہ حاکموں کو دیکھو کہ وہ کس بے تکلفی سے تمہاری ناکوں میں نکیلیں ڈالے گناہ و طغیان اور ہوا و ہوس کی دلدلوں میں ہنکائے لئے چلے جا رہے ہیں۔ تمہاری غیرت دینی اور حمیت حق اگر ایسی ہی ذکی الحس ہے کہ تیرہ سو برس پہلے کے ظالموں کو گالیاں دیئے اور مظلوموں کے غم میں سینہ پیٹے بغیر تم کو چین نہیں آتا تو ان شیاطین کے بارے میں برف کیوں ہو گئے جو فسق و فجور کی سیاہی سے تمہارا منہ کالا کر رہے ہیں۔ جو گمراہی و ضلالت کی گھاٹیوں میں تمہیں غلاموں کی طرح ہنکارتے چلے جا رہے ہیں۔ مُردوں کے لئے تو محشر بکف اور زندوں کے لئے کچھ نہیں۔ ماضی پر تو خورد بینی نظر اور حال کے لئے اتنے کور چشم کہ سامنے کا پتھر بھی دکھائی نہیں دیتا۔ حسینؓ کے غم میں آنسو تو بہالو گے، ان کی پیروی میں سر نہیں کٹاؤ گے اور سر کٹانا تو کجا اتنا بھی احساس نہیں کرتے کہ جس مقصد کے لئے حسینؓ نے جان دی تھی وہ مقصد آج بھی تمہیں پکار رہا ہے۔ بہرے، بےحس، نادان، بہرد پیٹے۔ کاش تم سوچتے کہ یزید بیچارہ آج کے ان ابوجہلوں، ابولہبوں اور ابن ابیوں کی کیا برابری کرے گا۔ جو علم و فن کے ہتھیاروں سے لیس تمہاری غیرت کو للکار رہے ہیں۔ تمہارے سینوں پر مونگ دل رہے ہیں۔ ہمت ہے تو ان کی للکار کا جواب دو، ان سے آنکھیں ملاؤ، مگر مچھ کے آنسوؤں سے ظلم و طغیان کے پہاڑ نہیں بہیں گے اور یزیدؒ و معاویہؓ پر دانت کٹکٹانے سے سر ہنائے کربلا کا بدلہ نہیں چک جائے گا۔ اللہ تمہیں نیک توفیق دے۔ اور عقل سلیم عطا فرمائے۔ (منقول از تجلیات)

بندہ پروری

نہ پکڑ دھکڑ کا خطرہ نہ ضمانتیں نہ تھانہ
یہ جوئے کا کام ہم بھی سرِ عام کر رہے ہیں
جو نہ تو پولیس میں ہوتا میرا کام کیسے چلتا
تیری بندہ پروری سے مرے دن گزر رہے ہیں

ہماری دعوت

ہماری دعوت یہ ہے کہ "اھل السُنّة وَالجماعة" اپنے
اُصول و حقوق کے مکمل دینی و قانونی اور سیاسی تحفظ کی خاطر ہر مصلحت، لالچ اور
خوف سے بے پرواہ ہو کر اِجتماعی جدوجہد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں! کیونکہ مُروّت کی ایک
حد ہوتی ہے۔ "رواداری" اور "بے غیرتی" میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ "اَندھی اور
غیر مشروط رواداری" "یہودیّت وسبائیّت" کے دودھ سے پلا ہوا وہ طویل العمر زہرناک
اَور خونی "اژدھا" ہے جس نے اھلِ سُنّت کی بے شمار نسلوں کو "مَوت کی نیند" سُلادیا اور ظاہر ہے
کہ کوئی ہوشمند کھلی آنکھوں "حرام موت" مَرنا ہرگز گوارا نہیں کرسکتا۔
ہم غیروں سے "کچھ" چھیننا نہیں چاہتے" بلکہ صرف اپنے اصول اور عقائد کی تبلیغ، عبادات و شعائر کے بقا
اپنے تمام اکابر کی یاد منانے اور ان کے فضائل و مناقب کی اشاعت و تشہیر نیز ان کے احترام و تعظیم کیلئے
مکمل تحفظ کے طلبگار ہیں — اپنے "غصب شدہ حقوق" کی
"بازیابی وُ بحالی" ہمارا مطمعِ نظر ہے۔! لھٰذا جو لوگ اس
دعوت کو حق سمجھتے ہیں اُن کا فرض ہے کہ وہ ہمارا ساتھ دیں اور جو سنگدل، غفلت، حَسَد،
منافقت، سازش یا جبر و تشدد کے ذریعے اس کے راستے میں روڑے اٹکا کر ازواج
واصحاب رسول علیہم السلام کی توہین، نیز امتِ مسلمہ کی اکثریت کی بے عزتی،
"پرمجرمانہ ہنسی" ہنستے اور اسکی مظلومی کا تماشہ دیکھ
رہے ہیں ——————

وہ خدا کے ہاں اپنا جواب سوچ لیں!

حضرۃ مولانا محمد اسحٰق صدیقی
کراچی

اسلامی عبادات [۳]

نماز میں کیفیتِ خشوع حاصل کرنے کا طریقہ :

نماز میں ہاتھ پاؤں وغیرہ ظاہری اعضاء کو حرکت سے روک دیا جاتا ہے اسلئے ذہن کی حرکت تیز ہوجاتی ہے اس حالت میں خشوع یعنی یکسوئی پیدا ہونا دشوار ہوتا ہے، مگر صحیح طریقہ اختیار کیا جائے تو آدمی پریشانی سے بچ جاتا ہے اور کام سہل ہوجاتا ہے۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ بہت توجہ کے ساتھ نیت کرنے کے بعد تکبیر تحریمہ کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اس کے بعد اگر توجہ ہٹ جائے تو جب غفلت سے چونکے اس وقت پھر توجہ کرے اسی طرح بار بار توجہ کی تجدید کرتا رہے۔ انشاء اللہ ایک مدت کے بعد پوری نماز میں یکسوئی ہونے لگے گی اور اگر بالفرض پوری یکسوئی عمر بھر بھی میسر نہ ہو، تو بھی کوئی نقصان نہیں، کیونکہ یہ غفلت اپنے اختیار سے نہیں پیدا کی گئی۔ بلکہ بے اختیار ذہن نماز سے ہٹ کر دوسری طرف چلا گیا۔ غیر اختیاری غفلت شرعاً کوئی برائی نہیں۔ شریعت آدمی کو انہیں باتوں کا پابند کرتی ہے جو انسان کے اختیار میں ہوں، اگر نماز کی طرف توجہ کی کوشش کے باوجود بے اختیار غفلت ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس غفلت کا شمار بھی توجہ اور خشوع میں کیا جائے گا۔ یعنی اس حالت میں جو نماز ادا ہوئی اس کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی، اور وہ بھی بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوگی۔ اس لئے یہ غلط فہمی نہ ہونا چاہیئے کہ وہ نماز بے کار گئی۔ اس فکر میں پریشان نہ ہونا چاہئیے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھنا چاہیئے کہ وہ قبول ہوگئی۔ اصولی طور پر یہ بات خوب سمجھ لینا چاہیے! نماز میں جی لگانے کی کوشش کرنا تو ضروری ہے لیکن اس کا نتیجہ حاصل کر لینا یعنی جی لگنا ضروری نہیں کیونکہ وہ پورے طور پر اپنے اختیار میں نہیں۔ جو خیالات بلا اختیار کے آجائیں ان سے نماز کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ البتہ خود سوچ کر خیالات دل میں لائے جائیں تو نقصان ہے۔

یہ تو خشوع کی تشریح ہے۔ خضوع کا مطلب یہ ہے کہ اپنی ظاہری حالت سے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی عاجزی اور بندگی کو ظاہر کرے مثلاً بحالت قیام نگاہ سجدے کی جگہ پر رکھے، ادھر ادھر نہ دیکھے، فقہ کی کتابوں میں رکوع وغیرہ کے جو طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ انہیں کے مطابق سب کام کرے۔ یعنی فرائض اور واجبات کے ساتھ سنتوں اور مستحب باتوں پر بھی عمل کرے مختصراً اتنا سمجھ لیجئے کہ بادشاہ اور حاکم حقیقی کے دربار میں جو طریقہ اختیار کرنا چاہیئے

وہی اختیار کرے جسکی تفصیل کتبِ فقہ میں مذکور ہے

نماز کی حکمتیں اور اس کے فوائد

آپ کو معلوم ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت فطرتِ انسان کا تقاضا ہے۔ نماز عبادت ہی کی ایک شکل ہے۔ اس کے بعد اس میں کسی فائدے اور حکمت کی تلاش کی ضرورت نہیں باقی رہتی لیکن اگر اسکی کچھ حکمتیں بھی سامنے آ جائیں تو اس سے دلچسپی میں انشاء اللہ اضافہ ہوگا اور اسکی قدر و عظمت دل میں بڑھ جائے گی۔ اس لئے اس سراپا حکمت عبادت کے چند فوائد و منافع کا تذکرہ کرتا ہوں۔

١۔ نماز درحقیقت خود اپنا فائدہ بلکہ حکمت و نفع ہی کی ایک مخصوص شکل ہے۔ کیونکہ نماز اللہ تعالیٰ کے دربارِ عالی میں حاضر ہونے کی اجازت و توفیق ہو۔ یہ اتنا بڑا شرف ہے، کہ سارے عالم کی سلطنت بھی اس کے سامنے ہیچ در ہیچ ہے۔ فرض نماز میں یہ شرف اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں تو خود پورے جہان کے حقیقی بادشاہ کی طرف سے بندے کو اپنے دربار میں بلایا جاتا ہے۔ زہے نصیب اگر اس دربار میں حاضری کی توفیق نصیب ہو۔

٢۔ قرآن مجید میں نماز کا ایک عظیم الشان فائدہ یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ نماز بے حیائی اور گناہوں سے روکتی ہے یعنی نماز میں یہ خاصیت ہے کہ اسکی پابندی کرنے سے نمازی کو بے حیائی اور بدکاری کرنے میں جھجک محسوس ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا اس کے لئے دشوار ہو جاتا ہے۔ یوں تو نمازی سے بھی ہر گناہ صادر ہو سکتا ہے مگر اس میں گناہ کی خواہش کا مقابلہ کرنے کی قوت بڑھ جاتی ہے۔ اگر ارادہ کرے اور ہمت سے کام لے تو گناہ سے بچنا اس کے لئے آسان ہوتا ہے، بخلاف اس کے، بے نمازی میں یہ قوتِ مقابلہ کمزور ہوتی ہے اور اس کے لئے گناہ کی خواہش کی مخالفت دشوار ہوتی ہے۔ اسلئے بے نمازی آسانی کے ساتھ ترکِ نماز کے علاوہ دوسرے گناہوں میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے۔ بخلاف اس کے نمازی مسلمان بہ نسبت اس کے گناہ میں کم مبتلا ہوتا ہے۔ اور اگر کوشش کرے تو بالکل مبتلا نہ ہو۔

٣۔ قرآن کریم اور احادیث میں نماز کی ایک خاصیت یہ بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ اس سے بہت سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ نماز کے لئے وضو کرنے سے بھی اعضاءِ وضو سے گناہوں کے اثرات دور ہوتے ہیں۔

تنبیہ: اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ صرف نماز پڑھ لینا ہر قسم کے گناہوں کے معاف ہونے کے لئے کافی ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ بہت سے گناہ ایسے بھی ہیں جو بغیر توبہ کے نہیں معاف ہوتے۔ مثلاً بندوں پر جو زیادتی کی جائے وہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتی جب تک اسکی تلافی نہ کر دی جائے یا وہ بندہ جس کا حق ہے اُسے معاف

نہ کرے ۔ اسی طرح اگر کچھ فرض یا واجب نمازیں قضا ہو گئی ہیں تو وہ بغیر قضا پڑھے اور توبہ کئے معاف نہ ہونگی۔ البتہ جو گناہ اسطرح کے نہ ہوں وہ نماز پڑھنے سے معاف ہو جاتے ہیں۔ غور کیجئے کہ نماز کا یہ کتنا عظیم الشان فائدہ ہے

نماز کے بعض ظاہری فوائد

یہ تو نماز کے روحانی اور باطنی فائدے ہیں اور یہی در حقیقت اس کے اصل فوائد اور اسکی حکمتیں ہیں۔ لیکن نماز میں بعض ظاہری اور مادی فائدے بھی ہیں جو اگرچہ مقصود تو نہیں مگر انکی خوبی اور قدر و قیمت کی اونچائی میں کلام کی گنجائش نہیں۔ ان میں سے بعض کا تذکرہ درج ذیل ہے ۔

۴ ۔ نماز کی پابندی کی وجہ سے آدمی جسم اور لباس کی طہارت اور صفائی کی کوشش کرتا ہے اور صفائی ستھرائی اسے پسند ہوتی ہے یہ خود بڑی خوبی ہے ۔ طہارت اور صفائی کی طرف سے بے پروائی اور گندگی اور میل کچیل سے نفرت نہ ہونا بد ذوقی اور عیب ہے۔ نماز کی پابندی اس عیب سے انسان کو پاک کر دیتی ہے ، نمازی ہمیشہ یہ چاہتا ہے کہ اس کا بدن اور لباس پاک اور صاف ستھرا رہے۔ یہ ظاہری طہارت روحانی طہارت کا سبب بھی بنتی ہے۔ اس لئے کہ نفسیات کا ایک اصول یہ ہے کہ ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے ۔ جو شخص اپنے بدن اور لباس کو طاہر اور پاکیزہ رکھنے کی کوشش کرتا ہے اسے اپنے باطن کو پاک و صاف رکھنے کا خیال بھی پیدا ہوتا ہے ۔ بخلاف اس کے گندے آدمیوں کے نفس میں عموماً گندگی پائی جاتی ہے ۔

۵ ۔ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے ، مسلمانوں کے باہمی تعلقات خوشگوار ہو جاتے ہیں۔ آپس میں میل جول پیدا ہوتا ہے ۔ اور لوگ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں ۔

۶ ۔ وقت کی پابندی کی عادت پڑتی ہے اور اسکی قدر و قیمت کا احساس پیدا ہوتا ہے ۔

جماعت سے نماز پڑھنا

اگر کوئی عذر شرعی نہ ہو تو مردوں کو فرض نماز مسجد میں جماعت کیساتھ پڑھنا چاہئیے۔ بغیر عذر جماعت کا چھوڑنا گناہ ہے ۔ اگرچہ نماز ہو جاتی ہے نماز باجماعت کے حکم میں ایک حکمت یہ ہے کہ اجتماع کی وجہ سے سب نمازیوں کے خشوع کی قوّت بڑھ جاتی ہے ۔ کیونکہ از روئے اصولِ نفسیات اجتماع کی وجہ سے قلبی قوّتوں کی کیفیت میں اضافہ ہو جاتا ہے ، مثلاً بسا اوقات دس آدمی الگ الگ ایک کام کی ہمّت نہیں کر سکتے ۔ مگر جب وہ جمع ہو جاتے ہیں تو انکی ہمّت نہیں کر سکتے مگر جب وہ جمع ہو جاتے ہیں تو انکی ہمّت قوی ہو جاتی ہے ۔ اور وہ اس کام کو کر لیتے ہیں ۔ اسی طرح بعض

اوقات بُزدلوں کی جماعت شجاع ہوجاتی ہے۔ اسی طرح نماز باجماعت میں ہر فرد کی تھوڑی تھوڑی کیفیت خشوع جمع ہوکر بہت طاقتور ہوجاتی ہے۔ پھر وہ سب کے دلوں پر دوبارہ اتر کر کے سب کے خشوع میں اضافہ کر دیتی ہے جس طرح کسی بڑے کمرے میں ایک چھوٹا سا چراغ رکھدیا جائے تو روشنی بہت دھندلی ہوگی مگر کئی چھوٹے چھوٹے چراغ رکھدیئے جائیں تو کمرہ روشن ہوجائے گا۔ اور ہر گوشہ کو مجموعی روشنی ملے گی۔ اسی طرح جماعت میں کئی نمازیوں کے خشوع کی روشنی جمع ہوکر سب کے دل روشن کر دیتی ہے۔

تنبیہ : جماعت سے نماز پڑھنا صرف مردوں پر واجب ہے۔ عورتوں پر نہیں۔ بلکہ ان کے لئے اپنے گھر ہی پر نماز پڑھنا بہتر ہے۔

زکوٰۃ : جس طرح صلوٰۃ یعنی نماز بدنی عبادت ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ مالی عبادت ہے نماز کی طرح زکوٰۃ بھی فرض اور اسلام کا ایک رُکن ہے۔ اس کے فرض ہونے سے انکار کرنا کفر ہے صلوٰۃ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا حکم بھی فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا :

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ⁂ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو

(المزمّل)

لیکن زکوٰۃ ہر شخص پر فرض نہیں جب کہ نماز ہر شخص پر فرض ہے۔ زکوٰۃ فرض ہونے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی مالک نصاب ہو۔ یعنی جب مال کی ایک خاص مقررہ مقدار کسی شخص کے پاس ایک سال تک موجود رہے۔ اور وہ اسکی اصلی ضرورتوں سے زائد ہو تو ایک سال کے بعد اس کا چالیسواں حصّہ یا اسکی قیمت اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دینا فرض ہے۔ شریعت نے اس کے مصارف بھی مقرر کردیئے ہیں۔ یعنی یہ بتادیا ہے کہ یہ صدقہ کسے دینا چاہیئے۔ اگر زکوٰۃ کا مال ان مصارف کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں صرف کیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور اس کے ادا نہ کرنے کا گناہ ہوگا۔

زکوٰۃ کوئی ٹیکس نہیں بلکہ عبادت ہے۔ بندہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق انکی خوشنودی اور ان کے ساتھ اپنی محبت ظاہر کرنے۔ اور اپنی عبدیت و بندگی کا اقرار کرنے کے لئے مال خرچ کرتا ہے۔ یہ عبادت کا ایک طریقہ ہے۔

اس عبادت کی حکمتوں پر ہم انشاء اللہ چند سطروں کے بعد روشنی ڈالیں گے۔ (باقی آئندہ)

خادم حسین شیخ

"ہیں جو سُرخ رو بغض اُن سے سیاہ کاروں کو ہے"

حالیہ ہی میں لاہور کے " دائرۃ الفکر" کی طرف سے ایک کالے رنگ کے ٹائیٹل کی کتاب "فرقہ داریت" پروفیسر مرزا محمد منوّر کی سرپرستی میں شائع کی گئی ہے جس کے صفحہ ۸۹ پر (احرار اور مرزا غلام احمد قادیانی کے حوالے سے) شجاعت ترمذی عارفی (جھنگ صدر) اپنے مذموم انداز میں رقم طراز ہیں :

"کبھی سیاسی جماعتیں اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لئے لوگوں کے مذہبی جذبات کو استعمال کرتی ہیں وہ اسلام کے نام پر درحقیقت اپنی زندگی کی خواہاں ہوتی ہیں۔ وہ اس مقصد کے لئے کسی مذہبی قضیئے کو چُنتی ہیں۔ اور اس پر لوگوں کے جذبات کو (مُلکی امن اور سلامتی کی قیمت پر) اس طور پر اپیل کرتی ہیں کہ اُن کا اشتعال جب اُنہیں متحرک کرے تو وہ انکی تائید میں بدل جائے۔ اس طرح وہ کسی مذہبی قضیئے کے روحانی وجود کی تجسیم بن کر زندگی پاتی ہیں۔"

قارئین کرام ! تعلیمی اداروں، اسمبلیوں، عدالتوں اور دفاتر میں بھی عام مسلمان ایسی باتیں کرتے ہوئے سُنائی دیتے ہیں جن سے یہ تاثر ملتا ہے کہ " قادیانی نبوت" صرف مولویوں یا مذہبی افراد کا مسئلہ ہے اسلام سے اِس کا کوئی تعلّق نہیں۔

جب کہ اسلام کے داعی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ میرے بعد کوئی رسول ہے اور نہ نبی۔

اور مرزا غلام احمد کہتا ہے۔ جو مجھے نبی نہیں مانتا وہ بدکار عورتوں کی اولاد ہے۔

ذیل میں ایسے ہی مخصوص ماحول میں پرورش پانے والے جدید تعلیم یافتہ حضرات کی معلومات کے لئے مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں سے تھوڑا سا انتخاب دیا گیا ہے جس کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ مرزائی ملّت اسلامیہ اور عالم اسلام کے دشمن ہیں۔ اور مسلمان یا کوئی مذہبی ادارہ جو اُن سے نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ کسی تنگ نظری کی بُنیاد پر نہیں اور نہ ہی کسی سیاسی مقصد کے لئے۔ بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت اور دینی غیرت کا تقاضہ یہی ہے

" دائرۃ الفکر" میں بیٹھ کر خاص رنگ میں کالم نویسی کرنے والے صاحب سے فی الوقت صرف یہی کہنا ہے کہ ؎

ہیں جو سُرخ رو بُغض اُن سے سیاہ کاروں کو ہے
چور کو جس طرح آتا ہے نظر دشمن چراغ -!

مرزا غُلام احمد قادیانی ___ لمحہ لمحہ ایک کہانی
بچپن سے دعوئ نبوّت تک

مرزا غلام احمد ولد مرزا غلام مرتضٰی ساکن قادیان تقریباً ۱۸۴۰ء کو پیدا ہوا اور اس کا بچپن عجیب و غریب حماقتوں کا مرقع تھا۔ دائیں بائیں کی تمیز نہ تھی۔ جوتے کا دایاں پاؤں بائیں میں اور بایاں پاؤں دائیں میں پہن لیا۔ گرمیوں میں بھی اُوورکوٹ پہنے رہتا۔ کوٹ کی جیب میں مٹی کا ڈھیلا اور گُڑ ڈالے رکھتا، نوجوانی بھی رنگیلی گزری۔ ۱۵/ روپے ماہوار پر کچہری میں چپڑاسی ہوا۔ مختاری کا امتحان دیا جس میں فیل ہو گیا اور ملازمت ترک کر کے خاندانی مقدمات کی پیروی میں مصروف ہو گیا۔ اس نے تعلیم تین آدمیوں سے حاصل کی، جن میں ایک غیر مقلد ایک حنفی اور ایک شیعہ تھا آخر کار سستی شہرت کیلئے عیسائیوں اور آریوں سے مذہبی مباحثے شروع کئے مگر ہر بار منہ کی کھائی۔ آخر کار مولانا محمد حسین بٹالوی کے مشورے پر میدانِ تالیف میں اُترا۔ حتٰی کہ ۱۸۸۰ء میں صداقتِ اسلام پر ایک مبسوط کتاب ۵۰ جلدیں شائع کرنے کا اشتہار دیکر خوب روپیہ بٹورا۔ پھر آہستہ آہستہ اپنے حواریوں اور گھر والوں سے مشورہ کر کے لدھیانہ آکر مسیحیت کا دعوٰی کرنے کا پروگرام بنایا۔ مگر مخالفت کے پیشِ نظر ہمت نہ ہوئی۔ تاہم مجدّدیت کی بیعت شروع کر دی گئی۔ اسی دوران ایک شخص کریم بخش سے سنا کہ ایک ملنگ گلاب شاہ نامی نے پیشگوئی کی تھی کہ عیسٰی اب جوان ہو گیا ہے۔ لدھیانے میں آکر (معاذ اللہ) قرآن کی غلطیاں نکالے گا۔ پھر ایک منصوبہ کے تحت لکھتا دو سال میں مریم بنا رہا۔ پھر مجھ میں عیسٰی کی رُوح پھونکی گئی۔ تو میں عیسٰی سے حاملہ ہو گیا۔ دس ماہ حاملہ رہنے کے بعد عیسٰی ہونے کا بچہ دیا۔ اس طرح عیسٰی ہو گیا۔ پھر ۱۸۹۱ء میں لدھیانہ آکر دعوٰی کیا کہ عیسٰی ابنِ مریم فوت ہو گئے ہیں اُن کی جگہ اُن کا آنا مثیل مراد ہے اور وہ میں ہوں۔ اللہ نے عیسٰی بن مریم والی تمام آیات میری طرف منتقل کر دی ہیں (براھین ج ۱۱۱) پھر کہا کہ عیسٰی چونکہ نبی بھی تھے۔ لہٰذا میں بھی ظلّی طور پر نبی ہوں۔ ۱۹۰۱ء میں ظلّی بروزی وغیرہ نبوّت کا دعوٰی کر دیا۔ کہ میرے الہام میں مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس میں مجھے رسول پکارا گیا ہے۔ لہٰذا میں رسول ہوں۔

مدد ان حمل بالواللھی بخش نے مرزا سے حیض دیکھنے کا مطالبہ کیا تو فرمایا کہ اب وہ حیض نہیں بلکہ بچہ بن گیا ہے جو اللہ کے بچوں جیسا ہے۔ اور مرزا کے مریدنے لکھا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ ایک دفعہ میں نے کشفاً دیکھا کہ میں عورت ہوں اور اللہ نے مجھ سے رجولیت کا اظہار فرمایا۔ (اسلامی قربانی صہ ۱۲) - میرا اللہ کے ساتھ ایک خفیہ تعلق بھی ہے (البشریٰ وغیرہ) پھر بچہ ہونے کا درد شروع ہوا تو مریمیت نے عیسیٰ ہونے کا بچہ دیا۔ (کشتیٔ نوح وغیرہ)

دعویٰ نبوت کے دوران فتویٰ تکفیر اور دیگر مباحثات کا بازار خوب گرم رہا جس میں ہر مکتب فکر کے علماء نے حصہ لیا جس پر کبھی مرزا سب کو بے نقط سناتا کبھی مباہلہ کا چیلنج کرتا (انجام آتھم صہ ۴۵)

آخر تنگ آکر ۵ اپریل ۱۹۰۷ء میں خود ہی دعا کی کہ اے اللہ! مولوی ثناء اللہ مجھے کذاب و دجال کہتا ہے اگر میں ایسا ہی ہوں تو جھوٹے کو سچے کی زندگی میں نیست و نابود کر دے جس کے نتیجہ میں مرزا نے ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء بروز منگل بمرض وبائی ہیضہ لاھور میں وفات پائی۔ مولانا ثناء اللہ اس کے بعد فوت ہوئے۔

اسی طرح مرزا غلام احمد نے عیدگاہ امرتسر کے میدان میں ۱۰ ذیقعد ۱۳۱۰ھ کو مولانا عبدالحق غزنوی مرحوم و مغفور سے روبرو مباہلہ کیا (مجموعہ اشتہارات مرزا قادیانی جلد اول صہ ۴۲۷) مولانا عبدالحق غزنویؒ کا مباہلہ اس پر تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے ماننے والے سب کافر، ملحد، دجال، کذاب اور بے ایمان ھیں۔ (مجموعہ اشتہارات مرزا غلام احمد قادیانی جلد اول صہ ۴۲۵) مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی وفات سے ساتؔ مہینے چوبیسؔ دن پہلے (۲ اکتوبر ۱۹۰۷ء) کو کہا تھا کہ "مباہلہ کرنے والوں میں جو جھوٹا ہو وہ سچے کی زندگی میں ھلاک ہوجاتا ہے۔" (ملفوظات مرزا غلام احمد قادیانی جلد ۹ صہ ۴۴۰) مرزا غلام احمد قادیانی ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو مولانا عبدالحق غزنوی مرحوم کی زندگی میں مرگیا اور مولانا مرحوم کا انتقال ۹ سال بعد ۱۶ مئی ۱۹۱۷ء کو ہوا۔ (رئیس قادیان جلد دوم صہ ۱۹۲)

مرزائی خدا

"چونکہ یہ کوئی علیحدہ ہی ہستی ہے لہذا وہ روزہ بھی رکھتا ہے۔ افطار بھی کرتا ہے نماز بھی پڑھتا ہے۔ سوتا بھی ہے اور جاگتا بھی ہے، غلطی بھی کرتا ہے اور درستی بھی۔ حتیٰ کہ اس نے مرزا صاحب کی بیعت بھی کر رکھی ہے۔" (مرزا کی کتاب۔ البشریٰ صہ ۷۹)

منشی یا خدا

وہ مرزا صاحب کی تیار کردہ مسل پر بلاچون وچرا سرخ سیاہی سے دستخط بھی کردیتا ہے مگر بدتمیزی سے قلم جھاڑتے ہوئے مرزا صاحب کے کپڑوں پر چھینٹے بھی گرا دیتا ہے چنانچہ اب وہ قمیض میاں عبداللہ کے پاس ہے۔ (حقیقۃ الوحی صہ ۲۵۵)

مرزا صاحب کے خدائی معاملات اور دعویٰ اُلوہیت

مرزا جی کو خدا نے کہا کہ اے شمس و قمر تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے (البشریٰ ص۱۰۴ ج۲ ۔ خزائن ص۲۹۶ ج۲۰) تو مجھ بمنزلہ میری توحید اور یکتائی کے ہے۔ (حوالہ بالا) خدا نکلنے کو ہے (البشریٰ ص۱۰۹ ج۲) تو میرے بروز جیسا ہے۔ (خزائن ص۴۸۲ ج۲۲) اِسمعْ ولدی: اے میرے میرے بیٹے سن (البشریٰ ص۴۹ ج۱) خدا تیرے اندر اُتر آیا۔ (کتاب البریہ ص۱۰۲ تذکرہ ص۳۱۶) خدا قادیان میں نازل ہوگا۔ (البشریٰ ص۵۶ ج۱) تو ہمارے پانی (نطفہ) سے ہے۔ اور دوسرے لوگ خشکی سے (اربعین ص۳۴ ج۴) "آسمان و زمین تیرے ساتھ جیسے میرے ساتھ (حقیقۃ الوحی ص۱۰۱) مرزا نے لکھا۔ حسب تصریح قرآن رسول اس کو کہتے ہیں جس نے احکام و عقائد دین جبرائیل کے ذریعے حاصل کئے ہوں (ص۵۸۴ ازالہ اوہام) مگر یاد رہے کہ مرزا کو وحی یلاش اور صاعقہ وغیرہ نامی خدا بھیجا کرتے تھے۔

مسیلمہ کذاب (مرزا کا چھوٹا بھائی) کے پاس صرف ایک فرشتہ وحی لاتا تھا جس کا نام رحمٰن تھا (البدایۃ والنہایۃ ص۳۲ ج۶) مگر مرزا کے پاس وحی وغیرہ لانے کے لئے کئی دیسی اور ولائتی فرشتے متعین تھے ذیل میں مرزا کے الہامی عملہ کی تفصیل درج کی جاتی ہے:

مرزائی خدا کے نام

۱۔ الصاعقہ (البشریٰ ص۶ ج۲) ۲۔ خدائے یلاش (روحانی خزائن ص۲۰۳ ج۱۷) ۳۔ ربنا عاج۔ ہمارا رب عاج ہے اس کے معنی ابھی تک معلوم نہیں ہوسکے (براہین ص۵۵۵) ۴۔ انگریزی خدا (براہین ص۴۸۴) ۵۔ آر بن۔ مرزا کے اندر اترنے والا (کتاب البریت ص۱۰۲)۔

مرزائی فرشتے

۱۔ ٹیچی ٹیچی۔ وقت پر روپیہ لانے والا (حقیقۃ الوحی ص۳۳۲) وحی ٹچ ٹچ ٹچ ٹچ ٹچ ٹچ ٹچ ٹچ ٹچ ٹچ ٹچاٹچ ٹچا۔ ایک دفعہ لنگر کا خرچ ختم ہوگیا انتہائی پریشانی تھی۔ کہ یہ صاحب کافی روپیہ لیکر آگئے اور مرزا جی کی جھولی میں ڈال دیا۔

۲۔ مٹھن لال (تذکرہ ص۵۱۵) وحی۔ میتوں کوئی نہیں کہہ سکدا (البشریٰ ص۵۵ ج۲) کہ ایسی آئی جس نے ایہہ مصیبت پائی۔ اس سکتہ کا آخری دم (البشریٰ ص۷)

۳۔ خیراتی صاحب (خزائن ص۳۵۱ ج۱۵) میرا ایک مکان ہے اپنا مکان کشادہ کرلو۔ چندہ کی اپیل کا بہانہ۔

۴۔ شیر علی (خزائن ص ۳۵۲ ج ۱۵) ۔ الرحیل ۔ الرحیل ۔ موت قریب ۔ موتا موتی لگ رہی ہے ۔ ہیضہ کی آمد ہونے والی ہے ۔ (البشریٰ ج ۲ ص ۱۴۱ ۔ ج ۲ ص ۱۳۶) براہین ص ۵۵۱ ۔ البشریٰ ج ۲ ص ۱۳۲)

۵۔ درشنی (انگریزی فرشتہ) (تذکرہ مکاشفات ص ۳۱) ایک دفعہ الہام انگریزی میں ہوا ۔ الہام کچھ اس طرح تھا :

آئی لولیو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ I love you میں تم سے محبت کرتا ہوں ۔

آئی ایم ودیو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ I am with you میں تمہارے ساتھ ہوں ۔

آئی شیل ہلپ یو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ I shall help you میں تمہاری مدد کروں گا ۔

آئی کین وٹ آئی ول ڈو I can what I will do میں کر سکتا ہوں جو چاہوں گا ۔

پھر انتہائی شدت سے الہام ہوا جس سے بدن کانپ گیا ۔ ۔ ۔ ۔ اور اس وقت ایسا لہجہ معلوم ہوا گویا ایک انگریز ہے جو سر پر کھڑا بول رہا تھا ۔ (براھین ص ۴۸۰) اور یہ بھی مدت سے الہام ہو چکا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انا انزلنا قریباً من القادیان ۔ ۔ ۔ یعنی بے شک ہم نے نازل کیا قادیان میں ۔ ۔ ۔ ۔ جس روز یہ الہام ہوا اس روز میرے بھائی مرزا غلام قادر میرے قریب بیٹھے بلند آواز سے قرآن شریف پڑھ رہے تھے ۔ پڑھتے پڑھتے انہوں نے یہ الفاظ بھی پڑھے ۔ انا انزلنا قریباً من القادیان ۔ ۔ ۔ ۔ یہ تو میں سن کر بہت حیران ہوا کہ قادیان کا نام اور قرآن شریف میں لکھا ہوا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ تب میں نے دل میں کہا کہ واقعی طور پر ۔ ۔ ۔ ۔ تین شہروں کا نام قرآن میں اعزاز کے ساتھ لکھا ہوا ہے ۔ ۔ ۔ مکہ ، مدینہ ، قادیان ۔ ۔ ۔'' (غلام احمد قادیانی ۔ اشتیاق احمد) ہم نے ہر رسول اس کی قومی زبان میں بھیجا ہے ۔ (قول مرزا) اور یہ بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی ہو اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو جس کو وہ سمجھ بھی نہ سکتا ہو کہ اس میں تکلیف مالا یطاق ہے ۔ (چشمہ معرفت ص ۲۰۸ از غلام احمد قادیانی) سابقہ قاعدہ کے مطابق تو وحی پنجابی زبان میں آنی چاہیئے تھی کیونکہ مرزا صاحب پنجابی تھے ۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہے کہ وحی ہر زبان میں آ رہی ہے ۔ اردو انگریزی ۔ فارسی ۔ پنجابی ۔ عبرانی ۔ عربی ۔ تمام زبانیں استعمال کی جا رہی ہیں تو نتیجہ یہ نکلا ۔ کہ سارا سلسلہ رحمانی نہیں شیطانی ہے ۔ قرآن میں ہے ۔ "شیطان اپنے دوستوں کی طرف وحی کرتے ہیں تاکہ وہ تم سے مباحثے کریں (انعام ۱۲۲) تو قابل غور بات یہ ہے کہ جب ہی خدائی اور سچے دین سے الگ ہے تو پھر ہمیں سچ

اور جھوٹ میں پرکھ ہوجانی چاہیئے۔ اسی لیئے مرزا بھی حیران ہے۔ کہتا ہے زیادہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ بعض الہامات مجھے اُن زبانوں میں بھی ہوتے ہیں جن سے مجھے کچھ بھی واقفیت نہیں ہوتی جیسے انگریزی، سنسکرت یا عبرانی وغیرہ (نزول المسیح ص۵۷) باوجود اس تردد آمیز تعجب کے یہ بھی دعویٰ ہے کہ مجھے اپنی وحی پر ویسا ہی ایمان ہے۔ جیسا تورات۔ انجیل اور قرآن پر (اربعین ص۱۹ ج۴) پھر لکھا۔ اگر میں اپنی وحی میں ایک دم بھی شک کروں تو کافر ہوجاؤں (قرآن ج۱۵ ص۱) (اقراری کفر)۔ اعجاز احمدی ص۳۱ میں لکھا ہے کہ خدا کی وحی مجھے بارہ سال کہتی رہی کہ تو مسیح ہے۔ تو مسیح ہے مگر مجھے یقین نہ آیا۔

مرزا کہتا ہے کہ اگر کوئی کلام مرتبۂ یقین سے کم ہو تو وہ شیطان ہے (خزائن ص۴۸۶ ج۱۷) مبہم اور رشتۂ الہام شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں (روحانی خزائن ص۴۹۲ ج۱۷) اب دیکھئے۔ ہو شعنا نعسا ابھی تک اس عاجز پر اس کے معنی نہیں کھلے۔ تو پھر وحی شیطانی ہوئی یا رحمانی؟ مرزا کی وحی میں چونکہ ابہام ہی ابہام ہیں لہٰذا وہ شیطانی ہے۔ مرزا کہتا ہے: میں خدا کی طرف سے مامور ہوا ہوں۔ "وہ مسیح موعود جو آخری زمانے کا مجدد ہے وہ میں ہی ہوں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ عاجز اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُمت کے لیئے محدث بن کے آیا ہے، میں وہی ہوں جس کا نام سرور انبیاء نے نبی اللہ رکھا اور اس کو سلام کہا اور اس کو اپنا دوسرا بازو قرار دیا اور خاتم الخلفاء ٹھہرایا۔

میرے بزرگ چینی سرحدوں سے پنجاب میں پہنچے۔ میں فارسی ہوں، میں قوم کا برلاس مغل ہوں۔ میں اگرچہ علوی تو نہیں مگر بنی فاطمہ سے ہوں۔ میری بعض دادیاں سادات میں سے تھیں، میں بنی فارس اور بنی فاطمہ کے خون سے ایک معجون مرکب ہوں، "میں حسنینؓ سے بہتر ہوں۔ میں ہی مسیح موعود ہوں۔ مجھے مسیح احمد مہدی بنایا گیا۔ میں پہلے مسیح (حضرت عیسیٰ) سے اپنی تمام شان میں بڑھ کر ہوں۔ خدا نے پہلے میرا نام مریم رکھا پھر اس کا نام عیسیٰ رکھا۔ خدا نے میرا نام مریم رکھا۔ پھر اس کا نام عیسیٰ رکھا۔ خدا نے میرا نام بیت اللہ رکھا۔ میں حجر اسود ہوں، سچا رسول وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔ میں آدم ہوں۔ میں شیث ہوں۔ میں ابراہیم ہوں۔ میں اسحٰق ہوں۔ میں یعقوب ہوں۔ میں یوسف ہوں۔ میں موسیٰ ہوں۔ میں داؤد ہوں۔ میں سلیمان ہوں میں یحییٰ ہوں۔" میں ظلی احمد اور محمد ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوں۔ میں فرشتہ ہوں میں میکائیل ہوں، میں خدا کی مثل ہوں۔" میں خدا کا مظہر ہوں۔ میں خدا کا بیٹا ہوں۔ میں خدا کا باپ ہوں۔ میں خدا

کی ہوئی ہوں۔ مجھے زندہ کرنے اور مارنے کی صفت دی گئی ہے۔ میں خدا کا جانشین ہوں۔ میں خالق ہوں۔ میں تمام انسانوں کو نجات دینے والا ہوں۔ میں خدا ہوں، میں رُدّر گوپال ہوں۔ میں کرشن ہوں۔ میں آریوں کا بادشاہ ہوں۔" میں امین الملک جے سنگھ بہادر ہوں (غلام احمد قادیانی۔ مصنفہ اشتیاق احمد)

میں گورنر جنرل ہوں۔ کلمۃ الازل ہوں۔ غازی ہوں۔ بیت اللہ ہوں۔ سوراخ دار برتن ہوں۔ تمام نبیوں کا مظہر، حجۃ القادر ہوں، نجم الثاقب، اسلامی کا شہزادہ، نطفہ خدا، برھمن اوتار ہوں۔

کرم خاکی ہوں میرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

انگریزی ایجنٹ

املکہ برطانیہ سے) تیری ہی پاک نیتوں کی تحریک سے خدا نے مجھے بھیجا (خزائن ص۱۲۰/۱۵) میں اس گورنمنٹ کیلئے ایک تعویذ ہوں۔ (انوار الحق اول ص۳۴-۳۳)۔ جہاد کی حرمت اور انگریزی حکومت کی خدمت کے لئے پچاس الماریاں کتابیں لکھیں (تریاق القلوب) اصل بھید یہ ہے کہ جیسے آسمان پر خدا کی طرف سے ایک تیاری ہوتی ہے ویسے ہی گورنمنٹ کے دل میں خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ (خزائن ص۱۲۴/۱۵)

فرنگی نبی کی عشقیہ داستان

مرزا غلام احمد قادیانی نے ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء کو مرزا احمد بیگ کے نام ایک خط میں اپنے لئے اُن کی بڑی بیٹی "محمدی بیگم" کا رشتہ دینے کی عرضی لکھی جو باپ بیٹی دونوں نے نہایت حقارت سے ٹھکرا دی، پھر مئی ۱۸۹۱ء میں علی شیر بیگ پھوپھا محمدی بیگم کے نام سفارشی عرضی لکھی لیکن انہوں نے بھی سفارش کرنے سے انکار کر دیا اور مرزا کو لعن طعن کی آخر ۴ جولائی ۱۸۹۱ء کو مرزا فضل احمد کے بڑے لڑکے کی ساس کو دھمکی آمیز خط لکھا کہ اگر محمدی بیگم کا نکاح کسی اور کے ساتھ ہو گیا تو میں تم سے سارے رشتے ناطے توڑ دونگا لیکن یہ حربہ بھی ناکام ہوا اور انھوں نے مرزا کے منہ پر تھوکا۔ پھر کیا ہوا؟

خواہشیں دم توڑ گئیں۔
آرزوئیں مرجھا گئیں۔ زندگی برباد ہوئی۔
عشق میں رسوائی ہوئی۔ مفت میں بدنامی ہوئی۔

تمنائیں پوری نہ ہوئیں۔ پیش گوئیاں جھوٹی ثابت ہوئیں۔

الہام کا چکر چلایا۔ دولت کا لالچ دیا۔ رقعے لکھے۔ منتیں کیں

پاؤں پکڑے۔ سفارشیں کرائیں۔ بد دعائیں دیں۔ دھمکیاں دیں

مگر محمدی بیگم نے مرزا جی سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا اور اس کا نکاح ایک مسلمان کے ساتھ ہو گیا

اے قیصرہ امد با اقبال ملکہ ہمارے دل تیرے لئے حضرت احدیث میں جھکتے ہیں اور ہماری روحیں تیرے اقبال اور سلامتی کے لئے خدا کے دربار میں سجدہ کرتی ہیں (خزائن ص ۲۶۶/۱۵ج)۔

ملکہ وکٹوریہ کا نور

اے ملکہ معظمہ..... تیرے عہد سلطنت کے سوا اور کوئی بھی عہد سلطنت ایسا نہیں ہے۔ جو مسیح موعود کے ظہور کیلئے موزوں ہوں۔ سو خدا نے تیرے نورانی عہد میں آسمان سے ایک نور نازل کیا۔ کیونکہ نُور نُور کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور تاریکی، تاریکی کو..... (ستارہ قیصرہ ص ۶)

خوشامد کی انتہا

تبلیغ رسالت ص ۱۹ ج ۷ میں اپنے آپ انگریز کا خود کاشتہ پودا بیان کیا ہے اپنے تمام مریدوں مع سرکاری ملازمین اور دینی تعلیم والے سب کے متعلق کہا کہ یہ ایسی جماعت ہے جو سرکار انگریزی کی نمک پروردہ ہے اور نیک نامی حاصل کردہ ہے (روحانی ص ۳۴۹/۱۳ج)

یہ امن جو اس گورنمنٹ انگریزی کے زیر سایہ ہمیں حاصل ہے۔ یہ امن نہ مکہ میں مل سکتا ہے۔ نہ مدینہ میں۔ نہ قسطنطنیہ میں (روحانی ص ۱۵۶/۱۵ج)۔ اقبالؒ نے ۱۹۳۲ء میں کہا کہ مرزائیت، یہودیت کا چربہ ہے مرزائی اسلام اور ملک دونوں کے غدار ہیں۔ کیا اب بھی اُن کے انگریزی ایجنٹ ہونے میں کوئی کسر باقی رہ گئی ہے؟

اس شخص پہ لعنت ہو تصور ہے یہ جس کا
انگریز کی اولاد کی تعظیم کیا کر ۔ !
(شورش)

تیرا دل تو ہے صنم آشنا

حضورؑ (مرزا صاحب) کسی تکلیف کی وجہ سے مسجد نہ جا سکتے تھے تو اندر عورتوں میں نماز با جماعت پڑھاتے تھے۔ اور حضرت بیوی صاحبہ (مرزا صاحب کی اہلیہ) صف میں نہیں کھڑی ہوتیں تھیں۔ بلکہ حضرت صاحب کے ساتھ کھڑی ہوتی تھیں۔ (الفضل اخبار ۲۵۔۱۰۔۱۷ء)

حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد صاحب) ولی اللہ تھے اور ولی اللہ کبھی کبھی زنا کر لیا کرتے تھے اگر انہوں نے کبھی کبھار زنا کر لیا تو اس میں کیا حرج ہوا۔ (اخبار الفضل ۳۱۔۸۔۳۸)

مرزا نے محمد حسین نامی ایک مرید کو خط لکھا کہ اس کیلئے کھانے پینے کی چیزیں خود خریدیں اور ایک بوتل ٹانک وائن کی پلومر کی دکان سے خرید دیں مگر ٹانک وائن چاہیئے۔ اس کا خیال رہے (ٹانک وائن ایک طاقتور شراب ہے جو ولائیت سے بند بوتلوں میں آتی تھی) (غلام احمد قادیانی مصنفہ اشتیاق احمد)

مجھے اتنا مزہ آیا

مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی کی شخصیت و کردار سے کون واقف نہیں آپ باطل طاقتوں کو جس بے باکی اور جرأت کے ساتھ للکارتے ہیں۔ یہ انہی کا حصہ ہے۔ نیازی صاحب نے ایک مرتبہ شفیق مرزا اور امیرالدین صاحب کو سیمنٹ بلڈنگ۔ تھارنٹن روڈ لاہور کے سامنے بتایا تھا۔" ایوب حکومت میں جب دیوان سنگھ مفتون پاکستان آئے تو مجھے ملنے کے لئے بھی تشریف لائے۔ دوران گفتگو انہوں نے بڑی حیرانگی سے کہا۔ عرصہ دراز کے بعد ربوہ میں مرزا محمود سے ملا ہوں۔ خیال تھا کہ وہ کام کی بات کریں گے مگر میں جتنا عرصہ وہاں بیٹھا رہا۔ وہ یہی کہتا رہا۔ کہ فلاں لڑکی سے تعلقات استوار کئے تو مجھے اتنا مزہ آیا۔ فلاں سے کئے تو اتنا (شہر سدوم ص۱۱۹)

مرزا نے ایک رات خواب دیکھا کہ وہ ایک جنگل میں ہے اور اس کے اردگرد بہت سے درندے بندر اور سور ہیں ...... اس خواب سے اس نے یہ نتیجہ نکالا۔ کہ یہ احمدی جماعت کے لوگ ہیں....

کتنا درست نتیجہ نکالا مرزا نے..... واہ!

کوئی شخص بھی اونچے مرتبے تک پہنچ سکتا ہے۔ یہاں تک کہ محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی آگے نکل سکتا ہے

پرانی خلافت کا جھگڑا چھوڑو....... اب نئی خلافت کو لو۔ ایک زندہ علی تم میں موجود ہے۔ اسی کو تم چھوڑتے ہو اور مردہ علیؓ کو تلاش کرتے ہو۔

میں خدا کا کشتہ ہوں اور تمہارا حسینؓ دشمنوں کا کشتہ ہے.... پس فرق کھلا کھلا ہے۔ سینکڑوں حسین میرے گریبان میں ہیں۔

میری کتابوں کو مسلمان محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور میرے دعوی کی تصدیق کرتے ہیں۔ مگر وہ نہیں مانتے جو بدکار عورتوں کی اولاد ہیں۔ (مرزا غلام احمد کے اپنے بیٹے فضل نے مرزا کو نہیں مانا تھا سو وہ

بھی بدکار عورت کی اولاد ہوگیا)۔ (غلام احمد قادیانی۔ مصنفہ اشتیاق احمد)

مرزائی غدّارِ وطن ہیں

ایک موقع پر مرزا بشیر الدین خلیفہ دوم نے اپنا ایک خواب بیان کیا کہ اُن کے پاس گاندھی جی آئے ہیں۔ وہ مرزا صاحب کے ساتھ ایک چارپائی پر لیٹنا چاہتے ہیں۔ (تیاری کر کے لیٹ گئے) ذرا سی دیر کر کے اٹھ بیٹھے۔ اسی سے نتیجہ نکالا کہ ہندو مسلم اتحاد ہو جائے گا۔ یہ تقسیم عارضی ہے اللہ سارے ہند کو ایک اسٹیج پر جمع کرنا چاہتا ہے اور سب کے گلے میں احمدیت (مرزائیت) کا جوڑ ڈالنا چاہتا ہے۔ اسی لئے ہمارا الہامی عقیدہ ہے کہ پاکستان کا وجود عارضی ہے۔ اگر کچھ وقت کیلئے دونوں قومیں جدا رہیں مگر یہ حالت عارضی ہے۔ اور ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ جلد دُور ہو جائے بہرحال ہم چاہتے ہیں کہ اکھنڈ ہندوستان بنے (الفضل ۵۔۴۔۱۹۴۷)

متذکرہ دلائل کے بعد عوام اور حکومت کے کان کُھل جانے چاہئیں۔ اور انھیں سمجھ لینا چاہیئے کہ مرزائی اسلام اور ملک دونوں کے غدار ہیں۔ انہیں ہر کلیدی اسامی سے برطرف کر کے جبراً اپنی حیثیت تسلیم کروائی جائے۔ پاکستان میں اصل تخریب کار یہی لوگ ہیں ان کا محاسبہ بہت ضروری ہے۔

مجاہدینِ آزادی

جن کے عزم و عمل نے سیاسی گذرگاہوں میں اسلام کی عظمت کے چراغ روشن کر کے قوم کو آزادی کی منزل تک پہنچایا۔

بالآخر وہی لوگ قوم کے قہر و غضب کا شکار ہو گئے۔ ان پر بیہودہ جھوٹ بولا اور بیہودہ افترا باندھا گیا جسے سن کر ۶ بیہودہ کا پیٹ زمین لرزی فلک تھرا گیا۔ ان کی قربانیاں چتا کی راکھ ہو گئیں۔

ان کی استقامت پر تہمتیں تولا گیا،
ان کی عظمت کو داغدار کرنے کی کوششیں کی گئیں
ان کی ہڈیوں کو سوکھی لکڑیوں کی طرح جلا دیا گیا

وجل و دروغ کی سیاست گاہ میں ان کی آواز اس صدا کی طرح ہو گئی جو صحراؤں میں بلند ہو کر ریت کے تودوں میں اتر جاتی ہے وہ لوگ احباسات کی قبر میں لیٹ گئے اور ان کی جگہ ایسے افراد نے لے لی جنہوں نے شہیدوں اور مجاہدوں کے خون کو فانہ اور مہمل بنایا جہاں تک کہ مجاہدین آزادی کے وجود کا چراغ گل ہو گیا اور ان کی جگہ سیاسی مجاور آ گئے جو آج بھی غلامی کا کاسہ گدائی لئے پھرتے ہیں۔

قائدِ احرار، جانشینِ امیرِ شریعت سیّد ابو معاویہ ابوذر بخاری

حکیم محمود احمد ظفرؔ سیالکوٹ

علامہ اقبالؒ
— اور —
فتنۂ جمہوریت

علامہ اقبالؒ کے پیشِ نظر زندگی کے چند نظریات تھے جن کی انہوں نے پوری زندگی مخالفت کی۔ اُن میں عصرِ حاضر کی تہذیب اور اس کے نظریات تھے۔ اقبال چاہتے تھے کہ ساری دنیا کے لوگوں کو عصرِ حاضر کے فتنوں کے زہریلے اثرات سے آشنا کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے تہذیب حاضر کی تباہ کاریوں کو اجاگر کرنے کے لئے اپنی پوری صلاحیتوں سے کام لیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تہذیب فرنگ بظاہر بہت دلآویز اور جنت نگاہ ہے تو پھر اقبال نے اسکی کیوں مخالفت کی۔ اس کے بارہ میں اقبال خود فرماتے ہیں ؎

می شناسی چیست تہذیب فرنگ | در جہان او دو صد فردوسِ رنگ
جلوہ ہائش خانہا سوختہ | شاخ و برگ و آشیانہ سوختہ
نی ہرشش تابندہ وگیرندہ ایست | دِل ضعیف است ونگہ رابندہ ایست

اقبال کی تہذیب فرنگ کی مخالفت ٹھوس حقائق پر مبنی ہے۔ اس کو عُریانی میں دیکھا جائے تو اسکی رگ رگ میں قدیم یونانی نظریات کا زہر رچا ہوا دکھائی دے گا۔ اُن کے ہاں سوسائٹی کی بنیاد عقل پر قائم ہے اور انسان کی راہ نمائی کے لئے وحی کی ضرورت نہیں۔ علاوہ ازیں سوسائٹی میں افزائشِ حسن کے لئے عُریانی اور بے حیائی کا رواج ضروری ہے۔ کیونکہ یونانی فلسفیوں کے نزدیک حُسن کا کمال انسان کا اور بالخصوص عورت کا برہنہ ہونا ہے۔ چنانچہ تمام فنونِ لطیفہ سنگ تراشی، مصوّری، تعمیر اور موسیقی ادب اور شاعری میں انسان کے برہنہ جسم اور حیوانی جذبات کی نمائش ہونے لگی۔ پھر عملی زندگی میں سب کچھ وہی ہوتا رہا جو اِن نظریات میں موجود تھا۔ چنانچہ جسمانی تربیت کے اکھاڑوں، کھیل کے میدانوں، سیرگاہوں اور تماشا گاہوں میں عورت اور مرد ننگے نظر آنے لگے اور یونانی معاشرہ بے حیائی اور فحاشی کی انتہائی پستی تک جا پہنچا۔ اس کے بعد تاریخ کے دُوسرے اور تیسرے دَور میں رومیوں نے

اقتدار اور چرچ کی بالادستی کے عہد میں یہ نظریات بڑی حد تک مغلوب رہے لیکن پندرھویں صدی میں نشاۃ ثانیہ کے ساتھ ساتھ ان نظریات کو بھی تازہ کیا گیا اور اس میں تیزی سے شدت پیدا کی گئی۔

پندرھویں صدی میں میکیاولی نے یورپ کو طاقت، سازش اور فریب کاری کی تعلیم دی اور اس تہذیب نے وحشت، بربریت، عیاری اور مکاری کی روح کو اپنے اندر جذب کر لیا۔ پھر سائنسی انقلاب آیا اور اس زمانہ کے سائنس دانوں نے بدمست ہو کر خدا کے وجود پر نکتہ چینی شروع کر دی۔ رڈسکارٹس نے اس کے وجود ہی کا انکار کر دیا۔ والٹیر نے اسے گھڑی ساز سے تشبیہ دے کر اس کا مذاق اڑایا۔

پھر انیسویں صدی میں ڈارون نے اس تہذیب پر نظریۂ ارتقاء کو مسلط کر دیا۔ اس نے کہا کہ انسان کا جدِ اعلیٰ بندر تھا اور انسان کی موجودہ شکل مسلسل ارتقاء کا نتیجہ ہے۔ دنیا کی ہر شئی تغیر پذیر ہے۔ اخلاق بھی محض اضافی ہیں حتیٰ کہ حق اور صداقت بھی کوئی قطعی چیز نہیں۔ اور وحی اور الہام کی متعین کردہ قدریں جمود اور زوال کی طرف لے جاتی ہیں۔

اس کے بعد یورپ کا مقبول ترین فلسفی فرائڈ منظرِ عام پر آیا۔ اس نے دنیا کی ہر شئی کا تعلق جنس (SEX) سے قائم کر دیا اور کہا کہ دنیا میں سب کچھ جنس ہی ہے اور کسی اخلاق، رواج یا قانون کو جنس کی بالادستی پر اثر انداز نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد کارل مارکس کی باری آئی۔ اس نے اعلان کیا کہ انسانی تاریخ، معاشرت اور تمدن کا ہر پہلو معاشیات کا نتیجہ ہے۔ اس لئے انسانی زندگی کا مقصد صرف اور صرف مادی ترقی ہونا چاہیئے۔ اور اس سلسلے میں خاندان کے ادارہ کو اڑا دینا چاہیئے۔ آخر میں شوپنہار نے مادہ پرستی کے اس فلسفہ کو آخری منزل تک پہنچایا۔ اور تہذیبِ مغرب میں اپنے اس تصور کو سمو دیا کہ زندگی ایک اندھی رو ہے، وہ قطعی بے شعور طاقت ہے۔ اس میں اضطراب ہے لیکن کوئی مقصد اس کے سامنے نہیں۔

ان تصورات سے جب قدیم یونانی نظریات کی آبیاری ہوئی تو تہذیبِ عصرِ حاضر معرضِ وجود میں آئی جس کے چند نمایاں اجزاءِ ترکیبی یہ ہیں:

۱۔ عقل و خرد کی بالادستی

۲۔ الحاد، لادینیت —— اور خدا کے وجود سے انکار

۳۔ کثرتِ دولت، جلبِ منفعت اور سرمایہ داری

۴۔ عریانی، بے حیائی اور مرد و عورت کے بے روک ٹوک اختلاط کی آزادی۔

ان انسانیت سوز عناصر کو مدِنظر رکھ کر اقبال نے تہذیب فرنگ کی شدید مخالفت کی اور فرمایا کہ اِس نے زندوں کو مُردہ اور مُردوں کو مردہ تر کر دیا اور اسکی ساری رنگینیاں اہلِ بصیرت کے لئے باعثِ عبرت ہیں۔

وائے بر دستورِ جمہور فرنگ! ❊ مردہ ترشد مردہ از صور فرنگ
گرچہ دارد شیوہ ہائے رنگ رنگ من بجز عبرت نگیرم از فرنگ

اسی تہذیب فرنگ کی فکرِ چنگیزی نے عصرِ حاضر میں جن فتنوں کو جنم دیا اُن میں جمہوریت سب سے بڑا فتنہ ہے۔ دنیا کے سیاسی نظریات میں جس قدر پُرفریب اور پُرتلبیس یہ نظریہ ہے اِس قدر اور کوئی نظریہ نہیں ہے بظاہر یہ ایک جنّت ہے جس میں خوف اور حزن کا نام و نشان تک نہیں ہے جس میں شخصی آزادی کی حفاظت ہوتی ہے جس میں انسانیت کی قدر و قیمت پہچانی جاتی ہے۔ جس میں غربت اور امارت کا کوئی سوال باقی نہیں رہتا۔ لیکن جب اس کے باطن پر نظر کی جائے تو یہ ایک جہنم ہے جس میں تکالیف اور پریشانیاں بھری پڑی ہیں جس میں انسانیت کو کُند چھری سے ذبح کیا جاتا ہے۔ جس میں شخصی آزادی کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے اور جس میں غریب اور کمزور کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ جمہوریت سراسر خلافِ اسلام نظریہ ہے۔ یہ کیوں خلافِ اسلام ہے اسکی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں۔

(۱) جمہوریت کے خلافِ اسلام ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ جمہوریت میں حاکمیتِ اعلیٰ ——— (SOVEREIGNTY) عوام کی ہوتی ہے۔ گویا جمہوریت میں عوام اللہ ربّ العزت کے مقابل ٹھہرتے ہیں۔

علمِ سیاست میں حاکمیت کا لفظ اقتدارِ اعلیٰ اور اقتدارِ مطلق کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے جمہور کے صاحبِ حاکمیت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُن کا حکم قانون کی حیثیت رکھتا ہے اور انہیں افراد ریاست پر حکم چلانے کے غیر محدود اختیارات حاصل ہیں۔ افراد انکی غیر مشروط اطاعت پر مجبور ہیں۔ افراد کو اس کے مقابلے میں کوئی حق حاصل نہیں جس کے جو بھی حقوق ہیں اُنہی کے عطا کردہ ہیں۔ وہ ہر ایک حق کو سلب کرنے کا بھی کُلّی اختیار رکھتا ہے۔ اس بات کو دوسرے لفظوں میں اسطرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ قانون صاحبِ حاکمیت کے ارادے سے وجود میں آتا ہے اور افراد کو اطاعت کا پابند بناتا ہے۔

انسانی سوسائٹی میں اگر تلاش و جستجو کی جائے تو کوئی قامت ایسا نہیں ملتا جس پر حاکمیت کا یہ جامہ راست آتا ہو۔ گویا مخلوقات میں کسی ہستی پر اس لفظ کا صحیح معنوں میں اطلاق نہیں ہوتا۔ اس کا اطلاق صرف اور صرف فَعَّالٌ لِمَا یُرِیْدُ پر ہوتا ہے جس کا حکم قانون، جس کی طاقت و قوت لامحدود، جس کے کام غیر

مسئول اور جس کی ذات منزہ عن الخطاء ہو اور وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے۔

اقبال مرحوم نے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو صرف ایک شعر میں بیان کیا ہے ؎

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اِک وہی باقی بتانِ آزری

ایک مومن صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا حاکمِ حقیقی سمجھتا ہے اور اللہ کے سوا باقی سب کو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے سامنے بتانِ آزری تصور کرتا ہے۔ مومن کے ماسوا تمام لوگ سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں حاکموں کے محکوم ہیں۔ ماں باپ کے محکوم، دوست و احباب کے محکوم، استاد اور مرشد کے محکوم، امیروں اور وزیروں کے محکوم، حاکموں اور بادشاہوں کے محکوم، اگرچہ وہ دنیا میں بغیر کسی زنجیر اور بیڑی کے لئے تھے، مگر دنیا نے اُن کے پاؤں میں حاکمیت کی بہت سی بیڑیاں ڈال دی ہیں، ایک مومن اور مسلمان صرف ایک ہی ذات کا محکوم ہے، وہ ایک ہی حاکم کا حکم مانتا ہے کیونکہ اُسے کہا گیا ہے: اِنِ الحُکمُ اِلَّا لِلّٰہِ ——— (حکم صرف اللہ ہی کا ہے) وہ ماں باپ اور استاد و مرشد کی تابع فرمانی صرف اس لئے کرتا ہے کہ اس کے حاکم نے اُسے اس کا حکم دیا ہے۔ وہ دوست احباب کے ساتھ اس لئے اچھا برتاؤ کرتا ہے کہ اُس کے حاکم نے اُسے اسکی تلقین کی ہے۔ وہ امراء اور بادشاہوں کے حکم بھی مانتا ہے کیونکہ اس کے احکم الحاکمین نے اُسے اُن کے ایسے حکموں کے ماننے سے نہیں روکا جو اس کے حکموں کے خلاف نہ ہوں۔ گویا کہ ؎

مقصود ما ز دیر و حرم جز حبیب نیست
ہر جا کنیم سجدہ بداں آستاں رسد

وہ جس جس کا کہنا بھی مانتا ہے، جس جس کے حکم کی بھی بجا آوری کرتا ہے اس لئے نہیں کرتا کہ اُن کے اندر کوئی حکم مانتا ہے بلکہ صرف اس لئے کہ حکم صرف اسی کا ہے اور اطاعت صرف ایک ہی کے لئے ہے۔ جب ایک ہی حکم دینے والے نے ان سب باتوں کا حکم دے دیا تو ضروری ہے کہ اُس کے حکم کی خاطر اس کے بندوں کو بھی مانا جائے اور اللہ کی اطاعت کی خاطر اُس کے بندوں کا بھی مطیع ہوا جائے۔ لیکن یہ ساری فرماں برداریاں، ساری وفاداریاں، ساری اطاعتیں ——— صرف اسی وقت تک کے لئے ہیں جب تک کہ بندے کی بات ماننے سے خدا کی بات نہ جاتی ہو اور دنیا والوں کا وفادار بننے سے خدا کی حکومت کی بغاوت نہ ہوتی ہو اور کبھی ایسی صورت پیش آجائے کہ اللہ اور اس کے بندوں کے احکام میں مقابلہ ہو جائے تو پھر تمام اطاعتوں کا خاتمہ، تمام

عہدوں اور شرطوں کی شکست، تمام رشتوں اور ناطوں کا انقطاع اور تمام دوستیوں اور محبتوں کا اختتام! اس وقت نہ حاکم حاکم ہے، نہ بادشاہ بادشاہ، نہ بھائی بھائی، نہ باپ باپ، نہ استاد استاد نہ مرشد مرشد، ان سب کے آگے تمرّد، سب کے سامنے سرکشی، سب کے ساتھ انکار اور سب کے ساتھ بغاوت، کیونکہ اسی نے کہا ہے کہ جس بات کے ماننے میں خالق و مالک کی نافرمانی ہوتی ہو اس میں کسی بھی بندے کی اطاعت نہ کرو، کسی کے پیچھے نہ چلو، کسی کی تابع فرمانی نہ کرو، کسی کی فرماں برداری کا دم نہ بھرو (لَاطَاعَةَ لِمَخلُوقٍ فِی مَعصِیَةِ الخَالِق) اب اس کے سامنے سارے رشتے کٹ گئے، سب عہد توڑ ڈالے گئے، سب وفاداریاں ختم ہوگئیں، سب فرماں برداریاں منقطع ہوگئیں کیونکہ یہ سب چیزیں صرف ایک ہی کے لئے تھیں۔ جب اس کے حکم سے انکار اور اسکی وفاداری سے بغاوت ہونے لگی تو جس کے حکم سے رشتہ جوڑا تھا، اُسی کی تلوار نے کاٹ دیا۔

اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے بارہ میں جو کچھ بھی اوپر بیان کیا گیا ہے، یہ ساری باتیں، یہ ساری وفاداریاں، یہ ساری اطاعتیں ایک جمہوری حکومت میں جمہور کو حاصل ہوتی ہیں۔ سَو میں سے اکیاون آدمی جو چاہیں، ایک جمہوری حکومت میں برپا کرسکتے ہیں۔ وہ چاہیں تو شراب کو حلال کردیں۔ چاہیں تو سُود اور جوأ کو سندِ جواز بخش دیں۔ چاہیں تو ہم جنسی کو قانونی طور پر ملک میں رائج کردیں، چاہیں تو اللہ اور اُس کے دین کے خلاف بغاوت کے قانون پاس کردیں، چاہیں تو منکرین ختمِ نبوت کو ملک میں کھلی چھٹی دے دیں، چاہیں تو منکرینِ حدیث کو حکومت کی سرپرستی میں پنپنے کا موقع دیں، چاہیں تو اللہ اور اس کے رسول کے نام پر بنے ہوئے ملک میں شریعت بل کو پاس نہ ہونے دیں، وہ چاہیں تو ہر قسم کے مُلکی انقلاب کو برپا اور اصلاحی انقلاب کا خاتمہ کردیں کیونکہ ان کو ملک کے دستور و آئین میں ہر قسم کا اسی طرح اختیار ہوتا ہے جس طرح کائنات میں احکم الحاکمین کی ذات مختارِ کل ہوتی ہے۔ گویا جمہوری نظام میں "جمہور" اللہ ربّ العزت کے مقابلہ کی شے ٹھہرتے ہیں اور "جمہور" اِس نظام میں خدا بنتے ہیں۔

بڑے دُکھ کی بات ہے کہ ہم جب بھی اسلام کے متعلق سوچنے بیٹھتے ہیں تو عیسائی مفکرین، عیسائی اصطلاحات اور عیسائی اقدار کو سامنے رکھ کر سوچتے ہیں جس کی وجہ سے ہماری سوچ اور فکر ہمیشہ غلط راستے پر چلی جاتی ہے۔ اور اس سوچ اور فکر کے نتیجہ پر ہم اسلام کا لیبل لگا دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ خالص کفر ہوتا ہے۔ ہم جب سوچیں تو عیسائی مفکرین، عیسائی اصطلاحات اور عیسائی اقدار سے بے نیاز ہو کر سوچا کریں تو انشاءاللہ نتیجہ اچھا برآمد ہوگا۔ لیکن ہم غیر شعوری طور پر کافرانہ نظام کی وضع کردہ اقدار کو فروغ دیتے ہیں۔ اور ہمارے بڑے

بڑے دردمند حضرات اسی دور میں بہے چلے جاتے ہیں۔

(۲) جمہوریت سرمایہ دارانہ نظام کی ایک فرع ہے اس میں امیر لوگ، جاگیردار، اور وڈیرے برسرِاقتدار رہتے ہیں۔ غریب لوگ بالعموم دیندار رہوتے ہیں اور امیر لوگ دین سے دُور۔ علاوہ ازیں امیر لوگ دولت کی وجہ سے بہت سی اخلاقی بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں اس لئے جب وہ اختیار و اقتدار کی کرسی پر بیٹھتے ہیں تو عوام جو کہ دیندار ہوتے ہیں، اُن سے اسلامی اقدار کے نفاذ کا تقاضا کرتے ہیں۔ لیکن امیر لوگ اپنی نہاد ذہنی اور عیش و عشرت کی زندگی میں ملوث اور مگن ہونے کی وجہ سے اُن کی خاطر کوئی ایسا ضابطہ اور دستور بنانے کی کوئی پرواہ نہیں کرتے جس سے خود اُن اُمراء پر کوئی قدغن اور رُکاوٹ وارد ہوتی ہو۔ اور اُن کے عیش و عشرت میں کوئی فرق پڑتا ہو۔ کیونکہ اخلاقی اقدار کے لئے اُن کے ہاں کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ صرف چند ایک رسمی باتوں میں وہ لوگوں کو خوش کر دیتے ہیں۔

(۳) جمہوریت میں امراء کے عیش و عشرت کے لئے غُرباء دِن رات مختلف چیزوں کی صنعت و حرفت میں ڈھور ڈنگروں کی طرح کام کریں گے۔ امراء کی قوتِ خرید زیادہ ہوگی اور غُرباء کی کم — نتیجہ یہ ہوگا کہ امراء دن بدن امیر تر اور غُرباء روز بروز غریب تر ہوتے چلے جائیں گے۔ اور امراء کو امیر تر بنانے کے لئے غُرباء ذلت کے گڑھے میں گرتے چلے جائیں گے اور معاشی زبوں حالی کا شکار ہو کر بے دین، ملحد اور اشتراکی ہو جائیں گے۔ کیونکہ جمہوریت کا ردِ عمل اشتراکیت ہے۔ اسی لئے امریکہ آج اشتراکی روس سے ڈر کر دنیا کے جمہوری غریب ملکوں کو امداد دے دے کر اپنے ساتھ رکھ رہا ہے۔ ایک تو اس لئے کہ اس کے حلیف بنے رہیں اور دوسرے اس لئے کہ کہیں اشتراکیت کو قبول نہ کر لیں۔ یہ امریکی پروگرام "سوشلسٹ پروگرام" کہلاتا ہے۔

(۴) جمہوریت سکنی (STATIC) اور اس کے مقابلہ میں اسلام حرکی ہے۔ (DYNAMIC)

جمہوریت کے شہری خود غرض ہوتے ہیں اور ہر کوئی نچلی سطح سے اُوپر کی سطح پر آنے کی جدوجہد میں مشغول ہوتا ہے یعنی مادی انداز میں نہ کہ اخلاقی اعتبار سے۔ اس لئے جمہوری ملک کے لوگ ایثارِ نفس سے عاری ہوتے ہیں اخوت اور ہمدردی سے ان کا دُور کا بھی واسطہ نہیں رہتا۔ کیونکہ ہر کوئی دولت بڑھانے کی فکر میں رہتا ہے۔ صرف ریاکارانہ دوستی اور منافقانہ اخوت ہوتی ہے۔ اور وہ بھی صرف اپنی مطلب برآری کے لئے نہ کہ کسی اعلیٰ قسم کی قدروں کی صُورت میں۔

(۵) جمہوریت شرک کی ایک فرع ہے۔ اس لئے کہ کسی ملک کے عوام اور جمہور اس ملک کی آبادی میں سے کچھ لوگوں کو اس یقین اور اعتماد کے ساتھ اپنے نمائندے منتخب کرتے ہیں کہ وہ اُن کی مرضی اور خواہش

کے مطابق اُن کے لئے قوانین بنائیں گے۔ پھر وہ منتخب نمائندے اپنی رایوں اور ذہنوں سے کام لے کر ان عوام اور جمہور کے لئے قوانین بناتے ہیں۔ منتخب نمائندوں نے چونکہ عوام سے ووٹ لئے ہوتے ہیں اور آئندہ الیکشن کے لئے بھی ووٹوں کے خواہش مند ہوتے ہیں لہذا وہ جمہور کی خواہشات کے مطابق قوانین بناتے ہیں تاکہ وہ خوش ہوں اور اگلے الیکشن میں اُنہیں پھر ووٹ دیں۔ اللہ کی رضا کے مطابق قوانین نہیں بناتے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ عوامی نمائندوں نے دنیا کے سب سے بڑے جمہوری ملک انگلستان میں عوام اور جمہور کی خواہشات اور اُن کی مرضی کے پیشِ نظر ہم جنسی تک کو قانوناً جائز قرار دے دیا ہے حالانکہ یہ قانون اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے لیکن چونکہ اس سے عوام خوش ہیں لہذا پارلیمنٹ میں انہی عوامی اور جمہوری نمائندگان نے اسے پاس کر کے قانوناً اسے سندِ جواز عطا کر دی۔ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں جمہور کی خوشنودی کا اس قدر لحاظ رکھنا بلکہ اعتقاد رکھنا یہی تو شرک ہے اور شرک اور اسلام دو متضاد چیزیں ہیں لہذا جمہوریت کبھی بھی اسلامی نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں یہود و نصاریٰ کے بارہ میں فرمایا ہے :

اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله ———

کہ ان یہود و نصاریٰ نے اپنے احبار و رُہبان (مولویوں اور پیروں) کو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے رب بنا لیا تھا۔ اور رب بنانے کا مطلب یہی ہے کہ اُن کے مولوی اور پیر اپنی رائے اور مرضی سے جو قوانین اور احکام اُن پر نافذ کرتے تھے وہ اُن کو مان لیتے اور اُس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی کوئی پرواہ نہ کرتے۔ اسی وجہ سے سید ابو الاعلیٰ مودودی نے لکھا ہے۔

"ظاہر ہے کہ مشرک ہونے کی حیثیت سے انگریزی اقتدار اعلیٰ اور جمہوری اقتدار اعلیٰ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لہذا اُن لوگوں (جمہوریت پسندوں) کی دعوت سراسر غیر اسلامی بلکہ مخالفِ اسلام دعوت ہے۔ ان کے نزدیک انگریزی اقتدار کے مقابلے میں جمہورِ اہلِ ہند کا اختیار اور انگریزی شریعت کے مقابلے میں ہندوستانیوں کی قانون سازی قابلِ ترجیح ہے، حالانکہ اسلامی نقطۂ نظر سے دونوں یکساں بغاوت، یکساں کفر اور یکساں طغیان و معصیت ہیں۔"

(سیاسی کشمکش جلد ۳ صہ ۱۶۳)

جمہوریت کے کفر اور شرک ہونے کی وجہ سے مولانا مودودی نے ایسی اسمبلیوں کی رکنیت اور اُن کے لئے ووٹ دینے کو حرام قرار دیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

"کہ جو اسمبلیاں یا پارلیمنٹس موجودہ زمانے کے جمہوری اصولوں پر مبنی ہیں اُنکی رکنیت حرام

ہے اور امن کے لئے ووٹ دینا بھی حرام ہے کیونکہ ووٹ دینے کے معنی یہ ہیں کہ ہم اپنی رائے سے کسی ایسے شخص کو منتخب کرتے ہیں جس کا کام موجودہ دستور کے تحت وہ قانون سازی کرنا ہے جو عقیدۂ توحید کے سراسر منافی ہے۔ اگر علمائے کرام میں سے کوئی صاحب اس چیز کو حلال اور جائز سمجھتے ہیں تو اُن سے انکی دلیل دریافت کریں۔''

(رسائل و مسائل حصہ اوّل بعنوان سیاسی مسائل صفحہ ۴۴۳)

مودودی صاحب کا یہ فتویٰ کوئی غلط فتویٰ نہیں ہے بلکہ بالکل صحیح فتویٰ ہے کیونکہ جمہوریت کی بنیاد اس عقیدہ پر ہے کہ ملک کے اصلی مالک جمہور ہیں اور طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔ جمہور ہی جس کو چاہیں حکومت دیں اور جس سے چاہیں چھین لیں۔ اور احکام بھی جمہور کی مرضی کے ہوں گے۔ جس حکم پر جمہور راضی نہ ہوں گے۔ وہ حکم حکومت نہیں چلا سکتی۔ اسی لئے عوام اور جمہور کے نمائندے احکام و قوانین منظور کر کے حکومت کے حوالے کرتے ہیں کہ یہ احکام چلاؤ اور حکومت وہی احکام اور قوانین چلاتی ہے اور ان کی خلاف ورزی نہیں کر سکتی۔ کیونکہ حکومت جمہور اور عوام کی ہے۔ جمہور جو چاہیں گے وہی ہوگا۔ اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ جمہور کے کسی حکم پر اللہ تعالیٰ خوش ہے یا ناخوش۔ اس لئے کہ حاکمیت عوام اور عوام کے نمائندوں کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا تو تصور ہی درمیان سے ہٹا دیا گیا ہے۔ یہ عوامی نمائندگان اگر چاہیں تو شریعت بل کو پاس کریں نہ چاہیں تو نہ پاس کریں۔ ان کو کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں۔ ان کے اوپر کوئی حاکم نہیں، کوئی انہیں سرزنش کرنیوالا نہیں۔ کیونکہ جمہوری حکومت صرف اور صرف عوام اور جمہور کے آگے جوابدہ ہوتی ہے اور انہی کی خوشی اور ناخوشی کا وہ ہر وقت خیال رکھتی ہے۔

(۲) مسلمان جمہوریت کو اپنا کر مرتد ہو جائیں گے کیونکہ اسوقت جو سیادت مادّی سربلندی کی وجہ سے عیسائیوں کو حاصل ہے وہ مسلمانوں کو نہیں۔ مسلمان جمہوریت کو تو اپنا بیٹھیں گے لیکن ان صنعتی اور مادّی وسائل کے مالک نہیں بن سکیں گے۔ جو وسائل کہ اہل یورپ کو حاصل ہیں۔ اس لئے ذہنی طور پر ان کے مقابلہ میں اپنے کو پست اور ذلیل محسوس کریں گے اور ان کو ہر حیثیت سے اپنے سے برتر اور اعلیٰ سمجھیں گے۔

اور ''دین الملک ملک الادیان'' ـــــ واللہ اعلم ان کو مرتد کرتا چلا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کا معاشرہ آج کل بڑی سرعت اور تیزی سے عیسائی معاشرہ کی صورت اختیار کرتا چلا جا رہا ہے۔ بے پردگی، بداخلاقی، زناکاری، شراب خوری اور دوسری اخلاقی خرابیاں اسی جمہوریت کی وجہ ہی سے ہیں۔ کیونکہ جمہوریت

میں ہر کوئی آزاد ہے۔ کسی پر کوئی دینی تقید نہیں۔

اس کے ساتھ ہی بجٹ اور دیگر ملکی وسائل میں کوئی معتد بہ مقدار کی وسعت محالات میں سے ہے کیونکہ زمین کسی خاص حد تک ہی دولت اُگل سکتی ہے، اس لئے اسلام کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر رہے گی۔ لہٰذا حج پر پابندی، افزائش آبادی پر پابندی، قربانی کے لئے مواشی ذبح کرنے پر پابندی کر کم ہو جائیں گے اور ایسے ہی اور بہت سی پابندیاں وارد ہوں گی اور اسلام وسعت حدود کے ساتھ تعددِ ازدواج اور کثرت افزائش اولاد کا قابل حرکی دینؐ اُس کے اندر دم گھٹ کر وہ جائے گا۔ اور لوگ مسلمان نہیں ہوں گے بلکہ کچھ اور ہوں گے۔

(۷) جمہوریت میں پارلیمنٹ کے اندر دو گروہوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک حزب اقتدار اور دوسرا حزب اختلاف ——— حزبِ اقتدار کا مقصد اپنی مرضی کے مطابق قوانین کو بنانا اور عوام پر ٹھونسنا ہوتا ہے۔ جبکہ حزبِ اختلاف کی غرض وغایت حزبِ اقتدار کی ہر بات کی مخالفت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اسلام کے نظامِ حکومت میں نہ کوئی حزبِ اختلاف ہے اور نہ کوئی حزبِ اقتدار بلکہ پارلیمنٹ کا ہر ممبر حزبِ اقتدار میں بھی ہے اور حزب اختلاف میں بھی۔ خلیفۂ وقت اگر صحیح اور درست بات کرتا ہے تو مجلسِ شوریٰ کا ہر فرد اُسکی حمایت کریگا لیکن اگر وہ نادرست اور غلط بات کا مرتکب ہوتا ہے تو ہر فرد کا یہ حق ہے کہ اُس کی مخالفت کر کے اُس کو راہ راست پر لائے۔ اس بات کو مختصر لفظوں میں یُوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ جمہوریت میں اختلاف (AGREE TO DIFFER) کے اصول کے تحت ہوتا ہے جب کہ اسلام میں اختلاف کی بنیاد (DIFFER TO AGREE) کے اصول کے تحت ہوتی ہے۔

(۸) یہ جو کہا جاتا ہے کہ جمہوریت میں عوام اور جمہور کی حکومت ہوتی ہے۔ یہ سراسر غلط ہے۔ جمہوریت بھی بالواسطہ ایک ڈکٹیٹرشپ ہے بلکہ عام ڈکٹیٹرشپ سے زیادہ بدتر ہے۔ کیونکہ ڈکٹیٹرشپ کے بارہ میں تو پھر بھی کچھ احتجاج ہو سکتا ہے لیکن جمہوریت کے بارہ میں عوام کو یہ فریب دیا جاتا ہے کہ حکومت تو تمہاری ہے تمہی نے ووٹ دے کر ہمیں اپنے نمائندے مقرر کیا تھا، لہٰذا ہم کچھ نہیں کر رہے بلکہ تم ہی سب کچھ کر رہے ہو۔ اس طریقہ سے عوام کے احتجاج کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔

جمہوریت کس طرح ڈکٹیٹرشپ ہے ——— ؟ اسکی تفصیل یہ ہے کہ جمہوریت میں وزیرِ اعظم سارے حزب

اقتدار کا سربراہ ہوتا ہے۔ لیکن حزبِ اقتدار کا کوئی شخص نہ تو اُس سے اختلاف رائے کر سکتا ہے اور نہ ہی اُس کی مرضی کے خلاف دم مار سکتا ہے۔ دُوسرے لفظوں میں وزیرِ اعظم ملک کے سیاہ و سفید کا مالک ہوتا ہے وہ اکثر قانون پہلے نافذ کرتا ہے اور پارلیمنٹ سے منظوری میں لیتا ہے۔ اور اسکی پارٹی کے افراد یعنی ممبرانِ حزبِ اقتدار اُس کی منظوری دینے کے لئے مجبور ہوتے ہیں۔

ہمارے ملک میں وزیرِ اعظم بھٹو نے تقریباً سات سال حکومت کی۔ اس سات سال کے عرصہ میں اس کی کسی غلط بات سے اُس کی پارٹی کے اراکین پارلیمنٹ نے اُس سے اختلاف نہیں کیا۔ اور اگر کسی نے ہمتِ مردانہ سے اختلاف کی جرأت کر لی تو پھر وزیرِ اعظم بھٹو نے اس کا جو حشر کیا اُس کی داستانِ ظلم بڑی طویل ہے اور دلائی کیمپ اور جیل کی کال کوٹھڑیاں اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ دُوسری طرف حزبِ اختلاف کے اراکینِ اسمبلی کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اسکی گواہی بھی اخبارات کے صفحات میں موجود ہے کہ اس سات سالہ دورِ حکومت میں حزبِ اختلاف کا پورے ملک میں کوئی جلسہ نہیں ہونے دیا گیا اور دستور و آئین کی منظوری کے وقت حزبِ اختلاف کے اراکین کو F.S.F کے ذریعہ کس طرح ٹانگوں سے پکڑ کر باہر پھینکا گیا۔ اور میاں طفیل محمد اور ملک قاسم کے ساتھ جیلوں میں جو کچھ کیا گیا اس کو اگر وہ آج کسی سیاسی مصلحت سے فراموش کر دیں تو الگ بات ہے۔ تاریخ کے اوراق تو اس داستانِ ظلم کو اپنے سینے سے محو نہیں کر سکتے۔ یہ ہمارے ملک کی جمہوریت کا حال ہے۔ یہ ڈکٹیٹرشپ نہیں تو اور کیا ہے ؟ لہٰذا یہ کہنا کہ جمہوریت عوام کی حکومت ہے، سَراسر غلط اور خلافِ واقعہ ہے۔

(۹) اسلامی نظامِ حکومت اور جمہوریت میں ایک واضح فرق یہ بھی ہے کہ اسلامی نظامِ حکومت میں بندوں کو تولا کرتے ہیں جب کہ جمہوری نظامِ حکومت میں لوگوں کو گنتے ہیں۔ یہ نظامِ فطرت کے خلاف ہے کہ ہر شخص کی رائے کا وزن ایک جیسا ہو۔ ہمارا ہر روز کا مشاہدہ ہے کہ ہر حکومت میں اور دُنیا کے ہر خطّہ میں ہر شخص کا الگ الگ مقام ہے، خود پاکستان میں بھی کئی آفیسر ہیں کئی چپڑاسی اور کلرک ہیں۔ ان کی تنخواہوں میں بھی بہت تفاوت ہے، حالانکہ دیکھنے میں دونوں ایک جیسے انسان ہیں لیکن ان کی اندرونی صفات کے تفاوت کی وجہ سے ان کی رایوں میں بہت فرق ہے۔ صدرِ مملکت یا ملک کا وزیرِ اعظم محکمہ کے سَربراہ اور سیکرٹری حضرات سے مشورہ کرتا ہے کبھی چپڑاسی یا کلرک سے مشورہ نہیں کرتا۔ وجہ یہ ہے کہ چپڑاسی یا کلرک کا ذہنی ارتقاء وہ نہیں ہے جو سیکرٹری یا سربراہِ محکمہ کا ہے۔ اسی ذہنی پختگی اور ارتقاء کی وجہ سے اُن کی تنخواہوں میں بے حد تفاوت ہے اور یہ فطری قانون کے تحت ہے!

ضیاء الحق چوہان

ناظم اعلیٰ تحریک طلباء اسلام خان پور

مرادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

کسی انسان کی انفرادی زندگی اور ذاتی اعمال و کردار ہی اس کی اجتماعی سیرت و کردار کی عظمت وشان کے اعتراف کی بنیاد ہوتے ہیں۔ ویسے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کی سیرت طیبہ کا عکس جمیل ہیں اور صحابہ کرام کی سیرت ہی اسوۂ حسنہ کو سمجھنے کے لیے روشن مثال ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت کو امت کے لیے معیارِ حق وصداقت قرار دیا۔ لیکن امیرالمومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کی پوری جماعت میں منفرد و بے مثال اور عبقری شخصیت کے مالک ہیں۔ یہ اعزاز صرف آپ ہی کو حاصل ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں فرمایا اگر میرے بعد نبوت جاری رہتی تو تاجِ نبوت کسی سر پہ سج سکتا تو وہ صرف اور صرف عمر بن خطاب ہیں۔ ایمان کی استقامت، جرأت وبے باکی، صبر و تحمل، محبت واطاعت رسول، اتباعِ سنت، مخلوق سے محبت، مسلم وغیر مسلم کے لیے بلا امتیاز عدل وانصاف، ظالموں کے لیے قہر اور مظلوموں کے لیے رحم دل، غریبوں، مزدوروں، محنت کشوں اور مفلسوں کا مونس غم خوار، جابروں اور آمروں کے لیے اللہ کی تلوار، یہ ہیں ان کی شخصیت کے نمایاں اور روشن پہلو جو ایک مومن کامل کی پہچان ہوتے ہیں۔ آپ نے مثالی، فلاحی، اسلامی مملکت قائم کر کے دنیا بھر کے تمام نام نہاد فلاحی مملکتوں کے جھوٹے دعوے داروں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ اور نظامِ خلافت میں انقلابی تبدیلیاں کر کے کفار و مشرکین کو اسلامی صداقت وحقانیت تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا۔ قول وعمل کے امتزاج اور آپ کی انفرادی زندگی نے اجتماعی معاملات میں بڑے بڑے شیاطین کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا!

آپ کی شخصیت ہر متلاشی حق کے لیے ایک روشن ستارہ ہے آپ نے کفر و شرک کے اندھیروں میں توحید واسلام کی روشنی پھیلائی، ظلمتکدہ جہاں میں حق وہدایت کی ضیا پاشی کی اور خواب غفلت میں صبح تاباں کا پیغام دیا۔

آج ایسا کون سا حکمران ہے جو رات کو گشت کر کے فاقہ مستوں کا پتہ کرے۔ آج کون سا شہنشاہ ہے جو اپنے کندھوں پر خوراک کا سامان اٹھا کر بھوک سے بلکتے ہوئے بچوں کو کھانا کھلائے۔ کون سا تاجدار ہے جو اپنی بیوی کو دائی بنا کر کسی مسافر عورت کے پاس بھیجے۔ کون سا سلطان ہے جو غلام کو تو اونٹنی پر بٹھائے اور خود پیدل چلے نہیں کوئی نہیں مگر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہ انہوں نے یہ سب کچھ کر کے دکھایا۔

ایک مرتبہ نصف شب خلیفۃ المسلمین حسب معمول گشت کرتے کرتے وہاں پہنچ گئے۔ جہاں مدینہ کے باہر ایک قافلہ اترا ہوا تھا۔ ایک بچے کے رونے کی آواز آئی۔ بچے کی ماں سے فرمایا اسے چپ کرانے کی کوشش کرو۔ امیرالمومنین رض آگے گزر گئے۔ واپس مڑے تو بچہ ابھی تک رو رہا تھا۔ ماں سے فرمایا۔ تو بڑی ظالم ہے۔ ماں نے جواب دیا۔ بچے کے رونے کا سبب یہ ہے کہ امیرالمومنین رض نے حکم دے رکھا ہے۔ کہ بیت المال سے بچوں کو وظیفہ اس وقت تک نہ دیا جائے۔ جب تک کہ وہ دودھ نہ چھوڑے۔ میں بچے کا دودھ چھڑوا رہی ہوں۔ اور یہ رو رہا ہے۔ حضرت عمر رض کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں اور آہ بھر کر فرمایا۔ اے عمر رض تیری گردن پر کتنے بچوں کا خون ہوگا۔ واپس آکر منادی کرادی کہ بچوں کا وظیفہ ان کی پیدائش کے وقت ہی سے مقرر کر دیا جائے۔ رات کافی بھیگ چکی ہے۔ رعایا محو خواب ہے اور امیرالمومنین عمر رض جاگ رہے ہیں۔ دارالامارت سے اٹھے اور عوام کی خبر گیری کے لیے مدینہ سے دور نکل گئے۔ دیکھا کہ ایک جھونپڑی میں ایک عورت کچھ پکا رہی ہے۔ اور بچے اس کے پاس رو رہے ہیں۔ حضرت عمر رض نے پوچھا بچے کیوں رو رہے ہیں؟ جواب ملا کئی دن سے فاقہ سے ہیں۔ انہیں بہلانے کے لئے جھوٹ موٹ کی ہنڈیا آگ پر رکھی ہے۔ خلیفۃ المسلمین نے سنا تو آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ بیت المال آئے۔ خوراک کا سامان اٹھایا غلام اسلم نے عرض کی۔ آقا بوجھ اٹھانے کے لئے غلام حاضر ہے۔ فرمایا۔ کہ کیا کل قیامت کو بھی میرا بوجھ اٹھاؤ گے؟ غلام خاموش ہوگیا۔ خوراک کا سامان لے کر اس جھونپڑی میں پہنچے عورت کو سامان دیا۔ وہ کھانا پکانے لگی۔ آپ ایک طرف ہو کر بیٹھے رہے۔ عورت نے کھانا پکایا۔ بچوں کو کھلایا۔ بچے خوش ہوگئے۔ عورت بولی۔ امیرالمومنین ہونے کے حق دار تم ہو عمر رض نہیں۔ تو حضرت عمر رض نے فرمایا مائی مجھے معاف کرو عمر رض میں ہوں۔ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر تنہا مدینہ منورہ سے باہر چلے گئے۔ ایک چھوٹی اور بوسیدہ سی چھولداری میں چراغ جل رہا تھا۔ دروازہ پر ایک نوجوان پریشانی و مایوسی کے عالم میں سراپا تصویر غم بن کر بیٹھا آہیں بھر رہا تھا۔ امیرالمومنین رض نے پوچھا۔ جوان تم کون ہو؟ جواب ملا مسافر ہوں۔ فرمایا اداس کیوں ہو؟ عرض کی۔ بیوی کے بچہ پیدا ہونے کا وقت ہے۔ مگر دائی کا کوئی انتظام نہیں مسافر اور مفلس ہوں۔ سنا تھا کہ خلیفہ عمر رض نے ایسے انتظامات کر رکھے ہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے۔ وہ سب صرف مدینہ والوں کے لیے ہیں۔ اور میں مسافر ہوں! یہ سنا۔ آنکھیں اشک بار ہوگئیں اور فرمایا بھائی گھبراؤ نہیں میں ابھی کسی دائی کا بندوبست کر دیتا ہوں گھر آئے۔ اپنی بیوی سے فرمایا بیشک تم امیرالمومنین رض کی بیوی ہو مگر فوراً اٹھو اور آج ایک مسافر اور غریب کی جھونپڑی میں دائی بن کر جاؤ۔ تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں یہ جان لیں۔ کہ مسلمانوں کے حکمران اور ان کی بیگمات صرف خوش نما بنگلوں رنگین کوٹھیوں اور کلب گھروں کی زینت نہیں ہوتے۔ بلکہ مفلس کی بیٹی کے ننگے سر کو ڈھانپنا۔ غریب کے بیمار بچے کی عیادت کرنا اور قالینوں اور ریشمی پردوں سے نکل کر کسی مزدور کے گھر دائی بن کر جانا ان کے فرائض میں

ل ہے ۔ وفادار بیوی فوراً اُٹھی حضرت عمرؓ کے ساتھ جھونپڑی میں جا پہنچیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا لو بھائی دائی حاضر ہے۔

رالمؤمنین رضؓ کی زوجہ محترمہ نے بڑی خوشی اسلوبی اور احسن طریقہ سے اپنا فرض ادا کیا۔ اللہ کریم نے انہیں خوبصورت

ڑکا عطا کیا۔ حضرت عمرؓ بیوی کو اندر بھیج کر خود اس نوجوان سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ اندر سے آواز آئی۔

امیر المؤمنین آپ کو مبارک ہو خدا نے انہیں لڑکا عطا کیا ہے۔ امیر المؤمنین کا نام سن کر وہ نوجوان تڑپ گیا اور پاؤں پکڑ کر

عرض کی آقا معاف کر دو فرمایا نہیں بھائی تم معاف کر دو تمہیں اتنی تکلیف ہوئی۔

شام کے سفر سے واپس آ رہے تھے۔ راستہ میں ایک کٹیا میں ایک بوڑھی عورت دیکھی قریب گئے سلام کیا اور پوچھا

مائی عمرؓ کے بارے میں کچھ جانتی ہو؟ جواب ملا ہاں وہ شام سے چل پڑا ہے اس نے مال غنیمت تقسیم کیا ہے۔ مگر

مجھے ابھی تک کچھ نہیں ملا۔ فرمایا۔ اماں اتنی دور سے عمرؓ تمہارے حال کا کیسے پتہ کر سکتا ہے عرض کی تو پھر اسے خلافت

کرنے کا کیا حق ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ بہت روئے اور کئی دن تک گڑگڑا کر خدا تعالیٰ سے معافی مانگتے رہے۔

ایک دفعہ بیت المال کا اونٹ گم ہو گیا۔ اس کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھرنے لگے۔ اسی دوران ایک قبیلہ کا سردار

حنف بن قیس ملاقات کے لیے حاضر ہوا، اس نے عرض کی یا امیر المؤمنین رضؓ آج کیا ہوا؟

فرمایا بیت المال کا اونٹ گم ہو گیا۔ اس کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔ عرض کی گئی حضور کسی غلام کو حکم دے

دیتے۔ فرمایا کہ عمرؓ سے بڑھ کر دنیا میں کوئی غلام نہیں ہے۔

آپ کے بیٹے حضرت عبداللہ رضؓ نے ایک اونٹ فروخت کرنے کے لیے بازار بھیجا۔ آپ کو پتہ چلا تو بیٹے سے

پوچھا کیا ماجرا ہے؟ عرض کی یا امیر المؤمنین میں نے اسے خرید کر سرکاری چراگاہ میں چھوڑ دیا تھا۔ اب ذرا موٹا تازہ

ہو گیا ہے۔ تو فروخت کر رہا ہوں۔ فرمایا چونکہ یہ اونٹ سرکاری چراگاہ کی گھاس کھا کر موٹا ہوا ہے۔ اس لیے تمہیں

اس کی قیمت خرید ملے گی باقی بیت المال کی ہے۔

بیت المقدس کی فتح کے بعد جب اس کی کنجیاں لینے کے لیے وہاں تشریف لے گئے تو کیفیت یہ تھی کہ لباس

[illegible] ہاتھ میں دُرّہ اور زبان پر قرآن پاک کی تلاوت تھی۔ خود پیدل چل رہے تھے غلام گھوڑے پر سوار تھا۔ عیسائی

سرداروں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ مسلمانوں کے جس حکمران کے جاہ و جلال سے فرشِ زمیں لرزتا ہے جس کے رعب

دبدبہ سے بڑے بڑے شہ زوروں کے بدن کانپ اٹھتے ہیں جس کی ہیبت و سطوت سے کفر و باطل کے قلعے مسمار

ہو جاتے ہیں اور جس کی جنگی مہارتوں اور چالوں کی بدولت ہر میدان جنگ میں فتح اس کے قدم چومتی ہے جس کی تیغ براں

نے قیصر و کسریٰ کا غرور اور جالینوس کا تکبر ہرمزان کا گھمنڈ رستم کا فخر اور دوسرے بڑے بڑے ش

مرسلہ: عبدالواحد بیگ المرحوم (ملتان)

آئینۂ حدیث میں اپنا چہرہ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہتر چیزیں قربِ قیامت کی علامت ہیں جب تم دیکھو کہ لوگ نمازیں غارت کرنے لگیں۔ امانت ضائع کرنے لگیں سُود کھانے لگیں۔ جھوٹ کو حلال سمجھنے لگیں۔ معمولی بات پر خونریزی کرنے لگیں۔ اونچی اونچی بلڈنگیں بنانے لگیں۔ دین بیچ کر دُنیا سمیٹنے لگیں۔ رشتہ داروں سے بدسلوکی ہونے لگے۔ انصاف کمزور ہو جائے۔ جھوٹ سچ بن جائے۔ لباس ریشمی پہننے لگیں۔ ظلم، طلاق اور ناگہانی موت عام ہو جائے۔ خیانت کار کو امین اور امانتدار کو خائن سمجھا جائے۔ جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا کہا جائے۔ تہمت تراشی عام ہو جائے۔ بارش کے باوجود گرمی ہو۔ اولاد غم و غصّہ کا موجب بن جائے۔ کمینوں کے ٹھاٹھ باٹھ ہوں۔ شریفوں کا ناک میں دم آجائے۔ امیر وزیر جھوٹ کے عادی بن جائیں۔ امین خیانت کرنے لگیں۔ چودھری ظلم پیشہ ہوں۔ عالم اور قاری بدکار ہوں۔ جب لوگ بھیڑ کی کھالیں (پوستین) پہننے لگیں۔ ان کے دل مردار سے زیادہ بدبودار اور ایلوے سے زیادہ تلخ ہوں اس وقت اللہ تعالیٰ انہیں ایسے فتنے میں ڈال دے گا جس میں وہ یہودی ظالموں کی طرح بھٹکتے پھریں گے اور (جب) سونا عام ہو جاتے گا۔ چاندی کی مانگ ہوگی۔ گناہ زیادہ ہو جائیں گے۔ امن کم ہو جائے گا۔ مصاحف کو آراستہ کیا جائے گا۔ مساجد میں نقش و نگار کئے جائیں گے۔ اُونچے اونچے مینار بنائے جائیں گے۔ دل ویران ہوں گے۔ شرابیں پی جائیں گی۔ شرعی سزاؤں کو معطل کر دیا جائے گا۔ لونڈی اپنے آقا کو جنے گی۔ جو لوگ (کسی زمانے میں) پا برہنہ اور ننگے بدن رہا کرتے تھے۔ وہ بادشاہ بن بیٹھیں گے۔ زندگی کی دوڑ میں اور تجارت میں عورت مرد کے ساتھ شریک ہو جائے گی۔ مرد عورتوں کی اور عورتیں مردوں کی نقالی کرنے لگیں گی۔ غیر اللہ کی قسمیں کھائی جائیں گی۔ مسلمان بھی بغیر کہے (جھوٹی) گواہی دینے کو تیار ہوگا۔ جان پہچان پر سلام کیا جائے گا۔ غیر دین کے لئے شرعی قانون پڑھا جائے گا۔ آخرت کے عمل سے دنیا کمائی جائے گی۔ غنیمت کو دولت امانت کو غنیمت کا مال اور زکوٰۃ کو تاوان قرار دے دیا جائے گا سب سے رذیل آدمی قوم کا قائد بن بیٹھے گا۔ آدمی اپنے باپ کا نافرمان ہوگا۔ ماں سے بدسلوکی کریگا۔ دوست کو نقصان پہنچانے سے گریز نہ کرے گا اور بیوی کی

اطاعت کرے گا، بدکاروں کی آوازیں مسجدوں میں بلند ہونے لگیں گی۔ گانے والی عورتیں داشتہ رکھی جائیں گی اور آلاتِ موسیقی عام ہو جائیں گے۔ شرابیں عام پی جائیں گی۔ ظلم کو فخر و شغل سمجھا جائے گا۔ انصاف بکنے لگے گا۔ پولیس کی کثرت ہو جائے گی۔ قرآن کو نغمہ سرائی کا ذریعہ بنالیا جائے گا۔ درندوں کی کھال کے موزے بنائے جائیں گے اور اُمت کے پچھلے لوگ پہلے لوگوں پر لعن طعن کرنے لگیں گے اس وقت سرخ آندھی زمین میں دھنس جانے شکلیں بگڑ جانے اور آسمان سے پتھر برسنے جیسے عذابوں کا انتظار کیا جائے۔ (دُرِّ منثور صـ۵۲)

حاصلِ مطالعہ

جناب محمد حسن چغتائی (مدینہ منورہ)

"دُنیا میں سب سے زیادہ جھُوٹا شخص"

حضرت مولانا سید شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے دورانِ قیام بہاول پور مورخہ ۱۷ محرم الحرام ۱۳۸۷ھ کو اپنے عوامی درس مسجد فاروقیہ بہاولپور میں ارشاد فرمایا:

ایک شخص نے قسم کھائی کہ "آج اگر میں دنیا کے سب سے زیادہ جھُوٹے شخص سے بات نہ کرلوں، میری بیوی مجھ پر حرام ہوگی۔ اور اُس کو تین طلاق ہو جائیں گی۔"

دن چھپنے کو آیا اُسے قسم پوری کرنے کا فکر ہوا۔ اُسے اپنا مسئلہ حل ہوتا نظر نہ آیا تو وہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ کسی نصاریٰ یا رافضی سے بات کرلو کہ دونوں مکذبین الصادقین ہیں، نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سچا پیغمبر مانتے ہیں، لیکن جب وہ کہتے ہیں کہ میں خدا کا بندہ ہوں تو اُسے سچا ماننے کے باوجود جھُوٹا کہتے ہیں۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ عمر بھر منبر پر حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کی فضیلت بیان کرتے رہے۔ رافضی اُنہیں سچا امام اور خلیفہ مانتے ہیں لیکن جب صاحبین کی فضیلت اُنکی زبانی سُنتے ہیں، تو اُنہیں جھُوٹا بتاتے ہیں۔ اور ان حضرات کی فضیلت پر یقین کرنے کی بجائے انہیں غاصب اور کافر کہتے ہیں۔

اس لئے ان دو سے بڑھ کر دنیا میں کوئی جھُوٹا نہیں ہوسکتا۔

پروفیسر عابد صدیق - بہاول پور

حضرت اکبر الہ آبادی (مرحوم)

اکبر الہ آبادی اردو شاعری میں قومی اور عمومی سطح کے طنز کے بانی ہیں۔ اکبر سے پہلے اردو شاعری میں جو طنز نظر آتا ہے، اس کی نوعیت زیادہ تر ذاتی اور شخصی ہے جس کا موضوع و مقصود اکثر ہجو ہوتا تھا۔ اکبر نے سب سے پہلے اس نہایت مؤثر ادبی ہتھیار کو قومی ضروریات کے لئے اور اسلامی روایات کے تحفظ کے لئے استعمال کیا۔

اکبر ۱۸۴۶ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں اپنے والد سید تفضل حسین سے پڑھیں ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے وقت اکبر کی عمر گیارہ سال تھی۔ معاشی اعتبار سے اکبر کا خاندان پہلے بھی کچھ زیادہ آسودہ حال نہ تھا۔ لیکن جنگِ آزادی کے بعد تو حالت زیادہ خراب ہو گئی۔ ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط کے بعد انتہائی منظم طریقے سے مسلمانوں پر آبرومندانہ معاش کے سب دروازے بند کر دیئے گئے۔ یہی زمانہ اکبر کی عین جوانی کا زمانہ تھا۔ پندرہ سال کی عمر میں شادی ہو گئی۔ تو معاشی دباؤ اور بڑھا۔ لیکن وہ ایک نہایت باہمت، محنتی اور ذہین آدمی تھے۔ اپنے جوہرِ ذاتی اور سخت محنت کے سبب اپنے لئے راہیں نکالتے رہے۔ ایک ٹھیکیدار کے ہاں منشی کے طور پر ملازمت سے آغاز کیا۔ پھر انگریزی پڑھی، وکالت درجہ سوم کا امتحان پاس کر کے وکالت شروع کی ۱۸۶۹ء میں نائب تحصیلدار ہو گئے۔ پھر محکمہ آبکاری میں انسپکٹر رہے۔ ۱۸۷۳ء میں ہائی کورٹ کی وکالت کا امتحان پاس کیا۔ اور اپنی قانونی نکتہ رسی اور ذہانت کے سبب نہایت قابل وکیل شمار ہونے لگے۔ یہاں تک کہ حکومت نے منصف بنا کر باہر بھیج دیا۔ پھر سب جج بنے۔ پھر جج بنے۔ بالآخر ۱۹۰۵ء میں سیشن جج کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ ۱۹۰۷ء میں خان بہادر کا خطاب ملا۔ ۱۹۲۱ء میں وفات پائی۔

شاعری اکبر کا پیشہ نہ تھی۔ اکبر نے اپنی اس فطری صلاحیت کو قوم کی اصلاح کے لئے وقف کر دیا۔ اس زمانے میں مزاحیہ اور ظریفانہ انداز کی نثر کو اودھ پنچ وغیرہ کی اشاعت کے سبب قبولیتِ عام حاصل تھی۔ اکبر نے اس مقبولیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، شاعری میں طنز اور مزاح سے کام لینے کا فیصلہ کیا۔ اور مسلمانوں کی سماجی بدآہنگی اور عقائد و اعمال کے عدم توازن کو موضوعِ سخن بنایا۔ مغربی تہذیب کی کورانہ تقلید جس سے مسلمانوں کا قومی اور ملی تشخص مجروح ہوتا تھا، اکبر کے طنز کا سب سے بڑا ہدف بنی۔ اکبر کو سب سے زیادہ تکلیف اس بات سے ہوتی تھی

کہ مغرب زدہ نوجوان اسلامی اعمال و اخلاق سے شرمانے لگے تھے ۔ اور اُن کا رویّہ اسلام کے بارے میں معذرت خواہانہ ہوتا جارہا تھا ۔ اکبر سمجھتے تھے کہ بقول مولانا شبلی ؎

ان حقائق کی بنا پر سبب پستیٔ قوم
ترکِ پابندیٔ اسلام ہے اسلام نہیں !

چنانچہ وہ اسلام سے دُوری کو مسلمانوں کی ذلت کا سب سے بڑا سبب سمجھتے تھے ۔ اور ظاہر ہے کہ یہی واقعی سبب تھا انہوں نے ہر شعبہ زندگی میں مسلمانوں کی حالت کا بغور مشاہدہ کیا اور پھر اپنے تجزیئے اور غور و فکر کے نتائج کو ظریفانہ انداز میں اپنی شاعری میں پیش کیا ۔ مثلاً نظامِ تعلیم پر تنقید کرتے ہوئے اس حقیقت کو کہ یورپین اقوام جو کام میدانِ جنگ سے لیتی ہیں وہی کام اسکولوں اور کالجوں سے لیتی ہیں ۔ جنگ میں ملک فتح کرتی ہیں ۔ اور پھر مفتوحہ ممالک کے باشندوں کی رُوح کی تسخیر کے لیئے اسکولوں اور کالجوں کے ذریعے انہیں غلامی کے سانچے میں ڈھالتی ہیں ۔ اکبر نے یوں کہا :

توپ کھسکی پروفیسر پہنچے ! ؛ جب بسولا ہٹا تو رندا ہے

اور پھر ؎

یوں قتل سے بچوّں کے وہ بدنام نہ ہوتا ؛ افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

بعض لیڈروں کا قومی وجود کے بقا کا خواب اور ساتھ ساتھ انگریز سے غیر مشروط وفاداریاں ۔ اکبر کا موضوع سخن یوں بنیں ؎

یہ بات غلط کہ ملکِ اسلام ہے ہند ؛ یہ جھوٹ کہ ملکِ لچھمن و رام ہے ہند
ہم سب ہیں مطیع و خیر خواہ انگلش ؛ یورپ کے لیئے بس ایک گودام ہے ہند

اقبال نے بعد میں یہ کہہ کر جس حقیقت کا اظہار کیا تھا کہ عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد ۔ وہی حقیقت اکبر نے بہت پہلے محسوس کرلی لہذا وہ ادبی سطح پر اصلاح کی کوششوں اور تحریکوں کا مآل سمجھتے تھے ۔ چنانچہ کہا ؎

کوئی عرب کے ساتھ ہو یا ہو عجم کے ساتھ
کچھ بھی نہیں ہے تیغ نہ ہو جب قلم کے ساتھ

ایک وقت میں گاندھی نے ہندو مسلم اتحاد کی رٹ لگائی ۔ لیکن ہندو اصل میں اس بات سے کھٹکتا تھا ۔

چنانچہ ایک الائن کی زبان سے اکبر نے اس کیفیت کو یوں بیان کیا ہے

جاں ان کی کہیں ترکِ موالات نہ مارے
ڈرتی ہوں کہیں ترک مُوا۔لات نہ مارے

مغرب کی کورانہ تقلید سے مسلمانوں کی کیا حالت ہوئی، یہ اکبر کا مرغوب موضوع ہے۔ دو شعر سنئے

خُدا کے فضل سے بی بی میاں دونوں مہذب ہیں ۔ حجاب اِن کو نہیں آتا، انہیں غصّہ نہیں آتا
مُصیبت میں بھی اب یادِ خُدا آتی نہیں تم کو! ۔ دُعا منہ سے نہ نکلی پاکٹوں سے عرضیاں نکلیں

غرض اکبر نے قوم کو اس کے ملی وجود اور قومی تشخص کی حفاظت کی اہمیت کا اس وقت احساس دِلایا۔ جب قوم کو اس کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔

(بقیہ از صہ ۵۶)

مکرمی۔ السلام علیکم،

تازہ شمارہ بہت خوب ھے، علمی اُدبی دینی جواھر پاروں کا مرقع ھے
اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

مگر افسوس ہے کہ دس کڑوڑ عوام میں چند ھزار کی اشاعت اُونٹ کے منہ میں زیرہ کے برابر بھی نہیں ھے۔ مولانا کوثر نیازی کے بارے میں ۱۲ صفحات کا مضمون سنیوں کی آنکھیں کھول دینے کیلئے کافی ھے۔ بے غیرت لوگ نعرہ لگاتے ھیں شیعہ سنی بھائی بھائی۔ افسوس ھے کہ دشمنانِ اسلام اور دشمنانِ صحابہ سے اظہارِ محبت کرنے والوں کو شرم بھی نہیں آتی (عبدالواحد بیگ المرحوم ملتان)

بقیہ از صہ ۱۲

تا زخاک میں ملا دیا ہے۔

اس کی اپنی بھی امیرانہ نشان و شوکت شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ اور سردارانہ بود و باش ہوگی، اور ریشمی لباس ہوگا۔ زرق برق قبا ہوگی۔ موتیوں سے جڑی ہوئی چادر ہوگی۔ اور سر پر شاہی چھتری کا سایہ ہوگا۔ مگر بیت المقدس کے عیسائی سردار امیر المؤمنین رض کی سادگی۔ انکساری۔ تواضع اور جھکی ہوئی گردن دیکھ کر حیران رہ گئے۔ پھر انہوں نے زرق برق لباس اور لعل و جواہر کا ایک قیمتی ہار پیش کیا۔ آپ نے فرمایا مجھے اسلام کی عزت و عظمت ہی کافی ہے۔

"زبان میری ہے بات اُن کی"

راجہ مہدی علی خان

"دو حرام زادے"

"آجکل جمہوریت کا بول بالا ہے اور ایوان ہائے سفارت و وزارت سے لیکر پی آئی اے کے طیاروں تک قائدِ عوام کو ایصال ثواب کا انصرام و اہتمام کر لیا گیا ہے - یہ نظم مست جیالوں کے نام گزرے دور کے ایک شاعر کا خراجِ عقیدت ہے -"

— ادارہ —

پہلا شرابی :- زمانہ گردش میں جھومتا ہے نشے نگاہوں کو آ رہے ہیں
وہ ہاتھ زندہ رہیں خُدایا جو مجھ کو وہسکی پلا رہے ہیں

دوسرا شرابی :- جناب کیا آپ ہوش میں ہیں ؟ اگر ہے ایسا تو اور لیجئے
شراب خانے میں آئے ہیں تو خودی کو غرقِ شراب کیجئے

پہلا شرابی :- نشہ بہت ہو گیا ہے صاحب نہ اور دیجئے شراب مجھ کو
کہ اک بڑا سانپ لگ رہا ہے یہ لمبا لمبا کباب مجھ کو

دوسرا شرابی :- کباب تو بہترین ملتے ہیں شام کو میرے گھر کے آگے
اور اتنے خستہ کہ ٹوٹ جائیں اگر نہ لپٹے ہوں ان پہ دھاگے

پہلا شرابی :- پتہ جناب اپنے گھر کا اس خاکسار کو بھی بتایئے گا
دوسرا شرابی :- یہ کارڈ میرا ہے بھائی صاحب ضرور تشریف لایئے گا
پہلا شرابی :- اٹھارہ نمبر ؟ نظام منزل ؟ یہ میرے گھر کا پتہ ہے صاحب
دوسرا شرابی :- منگا دوں ٹیکسی ؟ بہت نشہ آپ کو اگر ہو گیا ہے صاحب
پہلا شرابی :- نشے میں کوئی بھی اپنے گھر کا پتہ نہیں بھولتا ہے مسٹر
دوسرا شرابی :- بہت سی پی لے تو ماں بہن تک کو بالیقیں بھولتا ہے مسٹر
پہلا شرابی :- میرے مکرّم بالیقین کر لو، بہک گئے ہو نشے میں گُم ہو

دوسرا شرابی :۔ تو گویا طلعت کے نام پر جو مکاں ہے اُس کے مکین تم ہو

پہلا شرابی :۔ قسم خدا کی اٹھارہ نمبر، نظام منزل، مرا مکاں ہے

دوسرا شرابی :۔ کرایہ دیتی ہے اُس کا طلعت تو کہہ رہا ہے ترا مکاں ہے

پہلا شرابی :۔ نشے میں کہتا ہوں صاف تجھ سے بہت ہے طلعت کو پیار مجھ سے

دوسرا شرابی :۔ زبان کو دے لگام ورنہ تو آج کھائے گا مار مجھ سے

پہلا شرابی :۔ جو ہاتھ مجھ پر کبھی اٹھایا طلاق لے لے گی تجھ سے طلعت

دوسرا شرابی :۔ وہ تجھ کو سینڈل سے پیٹ دے گی کہ عشق کرتی ہے مجھ سے طلعت

پہلا شرابی :۔ اگر تجھی سے وہ عشق کرتی گلے لگاتی نہ وہ مجھے بھی

دوسرا شرابی :۔ ابھی جہنم میں بھیجتا ہوں تیرے نشے کو بھی اور تجھے بھی

پہلا شرابی :۔ گلا پکڑ مت ! ہٹا لے اپنے یہ ہاتھ گندے، یہ کالے کالے

دوسرا شرابی :۔ تباہ کر دوں گا، مار ڈالوں گا میں نہ چھوڑوں گا تجھ کو سالے

پہلا شرابی :۔ اٹھارہ نمبر، نظام منزل میں بول بیٹا کبھی گھسے گا ؟

دوسرا شرابی :۔ تمہاری ماں کو گلے لگانے تمہارا یہ باپ ابھی گھسے گا

پہلا شرابی :۔ کمینے کُتّے (پھٹے گریباں) رذیل پاجی (پھٹی وہ ٹائی)

دوسرا شرابی :۔ سُوّر کے بچے (گلاس ٹوٹے) حرام زادے (اگری تپائی)

شڑاپ تھپیڑ، کھٹاک گھونسے، دھڑم بھڑم دھاپ چل رہے ہیں

گلے پُھلا کے، دُمیں اٹھا کے یہ دونوں مرغے اچھل رہے ہیں

تیسرا شرابی :۔ حسیں ہے موسم سماں ہے رنگین، لڑو نہیں بھائی باز آؤ

ارے او بیرا یہ کیا ہے گڑ بڑ ؟ یہ مر نہ جائیں انہیں چھڑاؤ

بیرا :۔ جناب یہ دونوں باپ بیٹے ہیں بھول جاتے ہیں روز پی کے

یہ دونوں رہتے ہیں ایک ہی گھر میں غُل مچاتے ہیں روز پی کے

تیسرا شرابی :۔ اجی وہ طلعت کا کیا ہے قصّہ جو بن گئی زیب داستاں ہے

بیرا : اجی وہ ہے ایک نیک عورت جو "اِس" کی بیوی اور "اُس" کی ماں ہے

مکتوب خانپور — محمود احمد قریشی

کالا باغ ڈیم کو سکردو ڈیم میں بدلنے کی سازشیں ہو رہی ہیں

- موجودہ حکومت ایرانی مفادات کا تحفظ کر رہی ہے
- افغانستان کو تقسیم کرنے کی سازشیں کی جا رہی ہیں

ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المومن بخاری

مرکزی نائب صدر عالمی مجلس احرارِ اسلام

گزشتہ دنوں ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المومن بخاری مرکزی نائب صدر عالمی مجلس احرارِ اسلام پاکستان جب خانپور تشریف لائے تو "احرار ہاؤس" میں اُن سے تفصیلی ملاقات ہوئی۔ اس بار شاہ جی بہت مصروف تھے۔ سہ پہر ۴ بجے انہوں نے جامع عثمانیہ میں علماء کرام، دانشوروں، صحافیوں، وکلاء اور مختلف مکاتب فکر سے متعلق افراد سے خطاب کیا۔ شام بعد نماز مغرب "احرار ہاؤس" میں پریس کانفرنس، بعد نماز عشاء جلسۂ عام سے خطاب کیا۔ اور دوسرے روز ناشتہ سے قبل احرار ہاؤس میں راقم السطور نے تفصیلی گفتگو کی جو نذرِ قارئین ہے۔

ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المومن بخاری نے کہا ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں عورت کی سربراہی کے سلسلہ میں ہمارا شرعی اصولی اختلاف ہے اور جو دینی جماعتیں اور علماء کرام عورت کی سربراہی کی مخالفت کر رہے ہیں ان کو اس پورے لادینی جمہوری نظام کو ہی تبدیل کرنے کی جدوجہد کرنی چاہیے۔ جس کے نتیجے میں بیگم زرداری اس ملک کی سربراہ منتخب ہوئیں۔ انہوں نے کہا کہ دینی قوتوں کے باہمی خلفشار نے ملک کو ایک بڑے منظم بحران سے دوچار کر دیا ہے۔ اور اس وقت علماء کرام اسلام کی بالادستی کے بجائے جمہوریت کے فروغ کے لئے کوشاں ہیں حالانکہ اسلام کا جمہوریت اور جمہوریت کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مگر افسوس کہ بعض علماء کرام اور بڑی دینی جماعتوں نے مروجہ انتخابی نظام اور جمہوریت کو قبول کیا۔ پھر جمہوریت کے فیصلوں اور اس کے نتائج کو قبول کرنے سے انکار کیوں؟

مجلسِ احرارِ اسلام کا شروع ہی سے یہ موقف رہا ہے کہ جمہوریت میں اسلام نہیں اور اسلام میں جمہوریت نہیں دونوں الگ الگ نظریۂ حیات اور نظامِ ریاست ہیں۔ اسلام اور جمہوریت میں بعد المشرقین ہے۔ ہماری تو جنگ ہی یہی ہے کہ اسلام کفریہ نظاموں کے سہاروں کا محتاج نہیں ہے۔ اور اسلام کا مقصد اسلام کی حکومت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

مجھے بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان کی دینی سیاسی جماعتیں مروجہ جمہوری پارلیمانی نظام کا حصہ اور پرزہ بن کر اسے قبول کر چکی ہیں اور اس نظام کے سانچے میں ڈھل کر نظامِ اسلام کے خواب دیکھ رہی ہیں۔ دوسری طرف جمہوری فیصلے کے نتیجے میں جب بیگم بے نظیر بھٹو حکمران بن گئیں تو اب جمہوریت پسند علماء کرام سراپا احتجاج بنے ہوئے ہیں حالانکہ یہ تحفظ صرف اسلام میں ہے جمہوریت میں نہیں۔

——— متضاد حکمت عملی چھوڑ کر صرف اسلام کے تابع ہو تو جد و جہد موثر ثابت ہو گی اور اس پورے جمہوری نظام سے گلو خلاصی کرانی ہو گی جس کے نتیجے میں عورت اس ملک کی حکمران بنی اور نفاذ اسلام کا صحیح راستہ تبلیغ اور جہاد ہے اور افغان مجاہدین نے جو کامیابی حاصل کی ہے وہ جمہوریت کے ذریعے نہیں بلکہ جہاد و تبلیغ کے ذریعے۔ اس سلسلہ میں دینی جماعتوں کے بزرگوں کو جماعتی سطح پر تطہیر کرنی ہو گی اور اپنی صفوں سے ایسے سرمایہ داروں کو مفاد پرست عناصر کو الگ کرنا ہو گا۔ جو دینی اداروں کے مالی تعاون کے روپ میں آگے بڑھ کر دینی جماعتوں کی پالیسیوں کو یکسر تبدیل کر کے دینی جماعتوں کو سیکولر سیاسی جماعتوں کا حوالی بنا رہا ہے جس سے سیکولر سیاسی جماعتیں اور شخصیتیں بالادست بن گئیں اور دینی جماعت اور شخصیتیں سیاسی لاوارث بن کر رہ گئی ہیں۔

مولانا سید عطاء المومن نے افغان مجاہدین کی جدوجہد پر خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ حکومت بڑی منصوبہ بندی کے ساتھ افغان جہاد اور قربانیوں کے بعد ان کی واضح جیت کو سیاسی ٹیبل پر شکست دینے کی مکروہ سازش کر رہی ہے اور افغان عبوری حکومت کو پاکستان کی حکومت نے ابھی تک تسلیم نہ کر کے پوری قوم اور عالم اسلام کو مایوس کیا ہے۔ انہوں نے کہا افغان مجاہدین کی عبوری اسلامی حکومت کے قیام سے وہ گروپ بہت ناراض ہیں جو ایرانی بھتہ کھا کر ایران میں مقیم ہیں اور افغانستان کی ۱۰ فی صد شیعہ اقلیت کے لئے ۴۰ فی صد حصہ مانگتے ہیں۔ اور وہاں ایک سازش کے تحت افغانستان میں اقلیت کو براجمان کرنے کی مکروہ سازش کی جارہی ہے انہوں نے واضح طور پر کہا کہ پی پی کی حکومت افغانستان کے سلسلے میں اپنا موقف واضح کرے اور بلا تاخیر افغانستان کی عبوری اسلامی حکومت کو تسلیم کرے اور ایران سے گھٹنے ٹیکنے کا انتظار نہ کرے۔

احرار رہنما نے الزام لگایا کہ پاکستان کی موجودہ حکومت بڑی منصوبہ بندی کے ساتھ اس ملک میں مخصوص اسٹیبلشمنٹ قائم کرنا چاہتی ہے اس کا ایران کی طرف جھکاؤ مسلسل بڑھ رہا ہے۔ وارفتگی اور خود سپردگی کی کیفیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ پاکستان ایران کا ایک صوبہ ہے۔ افغانستان کے معاملے میں ایران کا پاکستان پر دباؤ مسلسل بڑھ رہا ہے کہ شوریٰ میں ۲۰ فی صد نشستیں دی جائیں۔ افغانستان کو تقسیم کرنے کی سازش کی جا رہی ہے۔

انہوں نے کہا ملک میں ایک مخصوص فرقہ کی حکومت قائم کی جارہی ہے اور اس کی بالادستی کے لئے کام ہو رہا ہے۔

ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ ایرانی شیعہ اسٹیٹ ایران کے ۲۰ فی صد سنی مسلمانوں کو وہی حقوق دے جو وہ اپنے لئے پاکستان اور افغانستان میں مانگتی ہے۔ انہوں نے خبردار کیا کہ افغانستان کے سلسلہ میں ایران کی کسی سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیا جائے گا۔

سید عطاء المومن بخاری نے الزام لگایا کہ کالا باغ ڈیم کو سکردو ڈیم میں تبدیل کرنے کی سازشیں ہو رہی ہیں ——— روس اور بھارت پاکستان اور افغانستان کو ہر اعتبار سے نقصان پہنچانے میں اپنا منحوس کردار ادا کر رہا ہے۔ موجودہ حکومت ایک طرف خزانہ خالی ہونے کا واویلا کر رہی ہے اور دوسری طرف مشیروں کی فوج ظفر موج بھرتی کیے جا رہی ہے۔

مختصر عرصہ میں پی پی کی حکومت کے ارادے اور عزائم کھل کر سامنے آگئے ہیں۔ مرکز اور پنجاب کی چپقلش اور محاذ آرائی ملک کو ایک بڑے بحران اور نئے مارشل لاء کے قریب لئے جا رہا ہے۔ ذرائع ابلاغ پر لادینیت کی یلغار و پرچار دینی اداروں کو کمزور کرنے کے لئے تہذیبی یلغار، شمالی علاقوں میں ایک فرقہ کی غیر معمولی سرگرمیاں، صوبہ سندھ میں غیر سندھیوں کے متعلق موجودہ صورتحال، کراچی حیدرآباد کے حالات اور سندھ اسمبلی میں جن غیر سندھیوں کے متعلق جن جذبات کا اظہار کیا گیا ملک میں قتل و غارت، لوٹ کھسوٹ، مہنگائی، رشوت اور بدکاری و فحاشی کا فروغ ملک کے مختلف حصوں میں لسانی، گروہی، علاقائی تعصبات اور تحریکیں موجودہ حکومت کے لئے لمحہ فکریہ اور بہت بڑا چیلنج ہے۔

ادارہ

زبانِ خلق

ایک مجاہد کا خط

مجلس احرارِ اسلام کے آتش بجاں زعماء نے جہاں آزادیٔ ہند کے لئے ایک منفرد انداز سیاست اپنایا وہاں دین دشمن قوتوں کے خلاف احرار کی صف بندی بھی بالکل ممتاز تھی۔

علماء کی کھیپ جو جمعیت العلماء ہند کے نام سے ایک مذہبی قوت بن کے ابھری لیکن اپنی سیاسی حکمت عملی کانگریس کے مسلم لیگ اور آغاخانی گروپ سے سیاسی معاہدوں اور روز روز کے سیاسی روپ بدلنے کی وجہ سے اپنا وقار کھوچکی تھی۔ احرار نے تمام مذکورہ سیاسی قوتوں اور دین دشمن قوتوں کے خلاف مزاحمت کی بنیاد پر کام شروع کیا تو ہر طبقہ و مسلک کے لوگ احرار کے سرخ پھریرے کے سایہ میں صف بستہ ہو گئے۔

احرار کی اس مقبولیت سے جہاں یونینسٹوں، مسلم لیگیوں اور کانگرسیوں کو تکلیف ہوئی حیرانی کی بات ہے کہ وہاں احرار علماء کے حسد کا بھی شکار ہو گئے اس کے باوجود جو لوگ احرار کی صفوں کو منتشر ہونے سے بچاتے رہے۔ اور جنہوں نے بقاء و استحکام کا عمل جاری رکھا ان میں حضرت مولانا عنایت اللہ چشتی مدظلہٗ کا نام بھی آتا ہے جو بھولی بسری یادوں کی سکرین پر کبھی کبھار اپنا باوقار سر اٹھا کر اپنی یاد خود دلاتے ہیں اور احرار کے نئے دوستوں کو مستقبل کے خطوط مرتب کرنے کی ہدایات دیتے رہتے ہیں جس کے لئے ہم اخلاف ان اسلاف کے شکر گزار ہیں۔ یاد رہے کہ مولانا موصوف قادیان میں تحریک تحفظ ختم نبوۃ کے علم بردار تھے اور بزم احرار کے جگر دار مبلغ۔ "مشاہدات قادیان" آپ کی تصنیف ہے جو ماضی کے جھروکوں سے جرأت و شجاعت، قربانی و ایثار اور استقامت کے نور کی کرنیں بکھیرتی اور آنے والوں کے لئے ختم نبوت کے مشن کی تکمیل کے لئے اصولوں کے رخ روشن سے سیاسی و گروہی گرد و غبار جھاڑتی ہے۔

ذیل میں ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری مدظلہٗ کے نام مولانا مدظلہٗ کا ایک تازہ مکتوب ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔ جس میں ماضی سے ناواقف، حال سے برگشتہ اور مستقبل سے مایوس دینی و سیاسی کارکنوں کے لئے جدوجہد، عزم اور حوصلہ و ہمت کا پیغام ہے لیجئے پڑھیے اور سر دھنیے۔

یا ابنِ امیرِ شریعت! اطال اللہ عمرہٗ وزاد مکانتہٗ فی الدین

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کی نگاہِ شرف کا شکریہ۔ نقیب مل رہا ہے، جب رسالہ موصول ہوتا ہے تو پڑھنے سے پہلے میں اسے سامنے رکھ لیتا ہوں اور اس کی ہیئت قضائیہ کا معائنہ کرتا ہوں اور دیر تک ماضی میں کھو جاتا ہوں، لاہور کا دفترِ احرار، دوستوں کی آمد، ان کی چودھری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات، پھر چودھری صاحب کا رُک رُک کر ان سے گفتگو کرنا یہ سب کچھ آنکھوں کے سامنے حاضر ہو جاتا ہے، گویا میں انہیں اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں، خوشی و غم کے ملے جلے جذبات سے آنکھیں بھیگ جاتی ہیں اور بے اختیار آنسو ٹپک پڑتے ہیں۔ پھر ایک دم تصور کی آنکھیں دیکھتی ہیں کہ حضرت امیرِ شریعت تشریف لے آئے ہیں جن کا ورودِ مسعود کبھی کبھار ہوتا تھا آنکھیں بند ہو جاتی ہیں اور بصیرت کے دیدہ وا کو یوں لگتا ہے جیسے واقعہ میں حضرت امیرِ شریعت اپنے پورے جلال و جمال سے آراستہ میرے سامنے ہیں میری روح باغ باغ ہو جاتی ہے اور دفترِ احرار کے در و دیوار دمک اٹھتے ہیں گلستانِ احرار میں بہار کا سماں ہے اور شمعِ ختمِ نبوت کے احراری پروانے حضرت امیرِ شریعت کے چاروں طرف پرہ جمائے ادب و احترام سے کھڑے ہیں سب کے چہرے خوشی سے تمتما رہے ہیں نگاہوں میں عقابی چمک ہے شاہ جی مجھے آواز دیتے ہیں عنایت اللہ میں فضا میں پیدا ہونے والے اس ارتعاش سے چونک جاتا ہوں تو دیکھتا ہوں نقیب سامنے ہے پھر میں اس کے مطالعے میں محو ہو جاتا ہوں۔ ماشاء اللہ اس گئے گزرے دور میں نقیب ختمِ نبوت کی یہ شان، کتابت طباعت، ترتیبِ مضامین روزنامہ آزاد کی یاد دلا کر نقیب اس پر فوقیت کا احساس دلا رہا ہے۔

حضرت مخدوم السید ابو معاویہ ابوذر بخاری کا تو مجھے علم تھا کہ بفضلہٖ تعالیٰ وہ اردو زبان کے ادیب و خطیب ہیں، لیکن آپ کے متعلق میرا یہی تصور تھا کہ ماشاء اللہ ایک خوبصورت نوعمر، صاحبِ علم اور عمدہ مقرر ہیں لیکن نقیب کا لوٹ پلٹا دیتا ہے کہ ماشاء اللہ سیاسی نظریات اور اردو تحریرات بھی آپ کی مثالی اور معیاری ہیں، جس موضوع پر بھی قلم اٹھتا ہے اسے پوری طرح نباہنے کی اہلیت و قابلیت واہ واہ کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔

"اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ"

عزیزِ گرامی منش! میں اس قابل تو نہیں کہ سیاسی نظریات اور مسئلوں کے بارے میں آپ کی رہنمائی کروں ماشاء اللہ آپ لوگ حالاتِ حاضرہ سے باخبر اور رواں سیاست سے پوری طرح واقف و عارف ہیں۔

میں اپنے مشاہدہ و تجربہ سے چند باتیں عرض کر دینے میں کوئی باک نہیں محسوس کرتا۔

ع گر قبول افتد زہے عزّ و شرف۔

مجلس احرار اسلام کے بزرگوں نے جس جرأت و پامردی سے حکومت برطانیہ اور اس کے ایجنٹ مرزائیوں کی بیخ کنی کا کام کیا اس سے پنجاب کے ٹوڈی سرمایہ دار اور جاگیر دار احرار کے دشمنوں کی پہلی صف میں تھے انہی میں احرار کا بدترین دشمن فضل حسین بھی تھا جس نے دیندار حریت پسند مسلمانوں کی جماعت مجلس احرار کی اینٹی مرزائی تحریک انتقام لینے کے لئے ظفر اللہ خان مرتد مرزائی کو جو ایک وکیل تھا نہ یہ کہ وائسرائے ہند سے روشناس کرایا بلکہ اسے وائسرائے کی ایڈوائزری کونسل کا ممبر بنوایا۔ اور فرنگی دورِ حکومت کا سب سے بڑا اعزاز بھی دے دیا۔ احرار کے متعدد وفود سر فضل حسین سے ملے اور اسے مرزائیوں کی سازشوں، دین دشمنی اور قومی و ملی مفسدوں سے آگاہ کیا مگر بجائے اس کے کہ وہ مرزائیوں کی ابلیسی چالوں اور خوفناک ارادوں کو محسوس کرتا وہ مرزائیوں کی حمایت میں آگے ہی بڑھتا گیا اور احرار بزرگوں کی نیک نیتی پر مبنی کاوش و خواہش کو درخورِ اعتنا ہی نہ سمجھا۔ خذلہ اللہ تعالیٰ فی الدارین

مجھے یاد ہے کہ ایگزیکٹو کمیٹی کی ممبر شپ کے دوران جب وہ قادیان جاتا تو اس کا سیلون اسٹیشن پر ہوتا اور وہ دیہات میں مرزائیت کی تبلیغ کے لئے نکل کھڑا ہوتا اور وہ اپنے اس سیاسی و سرکاری منصب کی ذرہ بھر پرواہ نہ کرتا۔

ارتدادی سرگرمیوں کی ہمیں اطلاع ملتی ہم بے سروسامان درویش خدامت بھی اس کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوتے جس جس گاؤں میں وہ ایڈریس دیتا ہم بھی اس کی دنیاوی طاقت و اختیار و عہدہ کی پرواہ کئے بغیر بے نیاز سروسامان اللہ کی طاقت اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے سب سے مضبوط سہاروں پر قرآن و حدیث سے اس کے دجل کا پوسٹ مارٹم کرتے اور مرزائیوں کے احرام عقیدۂ نبوت کی دھجیاں بکھیرنے اور ظفر اللہ خبیث کے اثرات زائل کر دیتے۔ آپ یقین کریں کہ قادیان میں احرار کا مرکز قائم کرنے اور تحریک تحفظ ختم نبوت کی تبلیغی مہم کے بعد نہ تو قادیان شہر میں اور نواحی دیہاتوں میں کوئی ایک فرد بھی مرتد نہیں ہوا۔ برابر قادیان میں ہم سے پہلے بھی مسلمان ان کے پھندے میں نہیں آنے تھے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

سر فضل حسین مذہبی آدمی بالکل نہیں تھا جیسے فرنگی کے دیگر پالتو تھے ویسا ہی یہ بھی تھا ظفر اللہ خان سے اس کی محبت اور مسلمانانِ ہند پر اس کو مسلط کرنے کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے اور وہ انگریز کی وفاداری اور دوستی۔ جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ احرار دشمنوں میں پنجاب کا ٹوڈی جاگیردار اور سرمایہ دار بھی سب سے آگے تھا ان میں ایک تو یونینسٹ تھے دوسرے وہ لوگ تھے جو مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر فرنگی سے وفاداری کی بنیاد پر اکٹھا ہو گئے

گئے تھے۔ بعد میں تمام یونینسٹ بھی مسلم لیگ میں شامل ہو گئے تھے ان سب نے مل کر ہندوستان کی فوری تقسیم کا فارمولا قبول کر لیا میں سمجھتا ہوں کہ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں پر یہ سب سے بڑا ظلم تھا۔ فوری تقسیم قبول کی اور ساتھ ہی اصول تقسیم یہ طے کیا کہ جہاں مسلم اکثریت ہے وہ پاکستان اور جہاں ہندو اکثریت ہے وہ بھارت۔ اس اصول کے ماتحت دہلی تک تو پنجاب تھا جو مسلم اکثریت پر مشتمل تھا اور مشرقی و مغربی بنگال مسلم اکثریت کا علاقہ تھا مگر تقسیم کے وقت یہ سب کچھ بھارت کو جھونگے میں دے دیا آسام اور یوپی میں بھی مسلمانوں کی اکثریت تھی یہ علاقے بھی طشتری میں سجا کر بھارتی رام راج کے حوالے کر دئیے گئے۔ موجودہ پاکستان کی زراعت کا دارو مدار کشمیر سے آنے والے غذائیت سے مالا مال پانیوں پر تھا مرزائیوں کی سازش اور ظفر اللہ خاں کی کاوشں سے ضلع گرداسپور بھارت کو دیا ساتھ ہی کشمیر بھی مرزائیوں نے اپنی ماں کے جہیز میں دے دیا اور پاکستان ان میٹھے پانیوں کی سیرابی سے محروم ہو کے رہ گیا۔ پھر حکومت ان لوگوں کو ملی جو اسماً مسلمان تھے مگر عملاً فرنگی کے جانشین اس منصوبہ و عمل نے مسلمانوں کو دینی تہذیب اقتصادی اور سیاسی طور پر ایسا نقصان پہنچایا کہ پاکستان آج تک اقوام عالم کے برابر کھڑا نہیں ہو سکا۔ پاکستان کا مضبوط ونگ مشرقی پاکستان بھارتی رام راج ہڑپ کر گیا۔ یہ صرف اس بات کا نتیجہ ہے پاکستانی حکمرانوں نے اللہ و رسول سے وعدہ کر کے وعدہ خلافی کی پاکستان میں اسلام نافذ نہیں کیا۔ موجودہ پاکستان میں پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ دونوں اسلام سے ناواقف ہیں۔ مسلم لیگ پیپلز پارٹی سے بڑی مجرم ہے کہ وہ بیالیس برس سے پاکستانی عوام کا خون چوس رہی ہے۔ پاکستان امیروں کی جنت ہے اور غریبوں کے لئے ہر سورج نئی آفتیں لے کر طلوع ہوتا ہے پاکستان کے ہر دور کے حکمران جاگیردار اور سرمایہ دار رہے چاہے وہ پی پی پی ہوں یا مسلم لیگ میں دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں یہ دونوں احرار کے دشمن ہیں۔ احرار کو موقع ملا ہے کہ ان کی لڑائی کو مزے سے دیکھے چونکہ یہ لڑائی ہماری اپنے ملک کے ہوس پرستوں کی لڑائی ہے۔ لہٰذا چار چول چوکس ہو کر مشاہدہ کرے اور اپنی تلی رائے کا اظہار کرے کسی ایک دھڑے میں اپنا وزن نہ ڈالے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے مرزائیوں کا جنازہ نکالا اس کی تمام برائیوں کے باوجود ہو سکتا ہے یہی کارِ خیر اس کے جنت جانے کا وسیلہ بن جائے اللہ کی رحمت سے بعید نہیں۔

والسلام

عنایت اللہ چشتی

ایں گناہیست کہ درخانۂ شما نیز کنند

مکرمی! السلام علیکم۔!

وقت نقیب ختم نبوۃ ملتان ماہ ذوالحج ۱۴۰۹ھ جولائی ۱۹۸۹ء پیش نظر ہے۔ اس میں ایک مضمون بعنوان امام خمینی کے انتقال پر۔ مولانا کوثر نیازی کا شعر۔ خادم حسین شیخ اور ایک مضمون بعنوان۔ مولانا کوثر نیازی کا باپ گم ہوگیا ہے۔ محترم جناب حافظ ارشاد احمد۔ دیوبندی ظاہر پیر کی طرف سے شریک اشاعت ہے۔ دونوں مضامین کا تعلق جناب کوثر نیازی کے اس فعل پر ہے کہ اس نے ایرانی سفیر کے پاس جا کر خمینی کی موت پر تعزیت کی اور تعزیتی کتاب میں یہ شعر تحریر کیا ہے:

حال ما در ہجر رہبر کم تر از یعقوب نیست ۔ او پسر گم کردہ بود و ما پدر گم کردہ ایم

اس پر جناب شیخ صاحب نے خمینی کے افعال اور اعتقادات بھی بیان کر دیئے ہیں شیخ صاحب کی یہ تحریر قارئین نقیب کے لئے بصیرۃ افروز ہے اسی طرح جناب دیوبندی صاحب نے بھی کوثر نیازی کے غلط اعمال کی نشاندہی کی ہے اور نیازی کی متلون زندگی کے مختلف ادوار پر روشنی ڈالی ہے۔ ظاہر ہے ان دونوں حضرات کی یہ تحریر حمیتِ جذبہ اسلامی کے تحت ہے کیونکہ ان حضرات کو کوثر نیازی کے ساتھ کوئی مخاصمت نہیں۔ اس لئے ان حضرات کا یہ جذبہ مستحسن صد تحسین ہے۔ خدا کرے مزید توفیق ہو۔ اس کے ساتھ ہی ہم چند معروضات پیش کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔ کوثر نیازی کے عمل پر آپکی تنقید صحیح اور بجا ہے۔ لیکن کوثر نیازی کی شخصیت کوئی ایسی اہم شخصیت نہیں کہ جو تصلب دینی کے باعث نمایاں رتبہ پر فائز ہو۔ بلکہ وہ عام سیاسی مولوی ہے جس کی لچکدار شخصیت میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ ہر حکومت وقت کے اقتدار میں جذب ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اگر آپ ان دیوبندی علماء کے تاثرات پر تنقید کرتے جنہوں نے خمینی کی موت پر اس کے انقلاب کو اسلامی انقلاب سے تعبیر کیا ہے اور اس کو مرد مجاہد جیسے وقیع الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ اس طرح کے جذبات کا اظہار کرنے والے کوئی ہما شما نہیں بلکہ وہ حضرات ہیں کہ جن کو جمعیۃ العلماء اسلام میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ان حضرات کے ان لایعنی تاثرات کے اظہار پر آپ کا جذبۂ احساس کیوں موجزن نہیں ہوتا۔ یہ بے حسی صرف اس لئے کہ آپکے نام کے ساتھ بھی "دیوبندی" کا لاحقہ ہے اور وہ حضرات بھی اپنے آپ کو دیوبندی علماء مجاہدین کی طرف منسوب کرتے ہیں اگرچہ ان کے اعمال اس نسبۃ کی نفی کرتے ہیں۔ ع "ایں گناہیست کہ درخانۂ شما نیز کنند"

ہفت روزہ چٹان لاہور جلد ۴۲ شمارہ ۲۰ ۹ رجون ۱۹۸۹ء ہمارے پیش نظر ہے اس کے صفحہ ۴۲ پر

" ایران کے عظیم روحانی پیشوا کی وفات پر مختلف مکاتب فکر کے ممتاز پاکستانی علماء کے تاثرات " کا عنوان ہے۔ اس عنوان کے تحت جن مختلف علماء کرام کے تاثرات کا اندراج ہے وہ یہ حضرات ہیں :

قاضی حسین احمد۔ سید حامد علی موسوی۔ مولانا اجمل خان۔ مولانا عبدالقادر روپڑی۔ مفتی محمد حسین نعیمی۔ پیرفقیر طاہرالقادری۔ علامہ حسن رضا عزیزی۔ قاری بہادر زردار۔ سید اسعد گیلانی۔ مولانا عبدالرؤف ربانی۔

مولانا اجمل خان صاحب نائب امیر جمعیۃ علماء اسلام اپنے تاثرات میں بیان کرتے ہیں :

" آیۃ اللہ خمینی نے ڈھائی ہزار سالہ شہنشاہیت کا خاتمہ کر کے ثابت کر دیا کہ اسلام کا علم بلند کر کے ہی انقلاب لایا جا سکتا ہے "

مولانا کے اس اظہار تاثر سے ثابت ہوتا ہے ان کے نزدیک خمینی نے اسلام کا علم بلند کر کے ہی انقلاب قائم کیا ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام پنجاب کے ڈپٹی سکرٹری جناب مولانا عبدالرؤف صاحب ربانی اپنے تاثرات کے آخر میں بطور نتیجہ فرماتے ہیں :

" مجموعی طور پر وہ ایک مرد مجاہد تھے اور انکی غیرت ایمانی ہر قسم کے خوف وہراس سے بالاتر تھی "

اب ہم شیخ صاحب کے سوال کو دہراتے ہوئے شیخ صاحب ہی سے خود سوال کرتے ہیں کہ ان اکابر کے نزدیک اگر یہ اسلام ہے تو تم بتاؤ ضد اسلام کیا ہے ؟ یہ اسلامی انقلاب ہے تو صیہونی انقلاب کیا ہوتا ہے اسی طرح ہم حافظ دیوبندی صاحب سے بھی انہی الفاظ میں سوال کرتے ہیں۔

قارئین محترم ! کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ عبداللہ بن سبا سے خمینی تک شیعیت کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں مگر مولانا اجمل خان اور مولانا ربانی صاحب کو نجانے خمینی کی کونسی ادا پسند آگئی اسے اسلامی انقلاب برپا کرنے والا اور مرد مجاہد قرار دے ڈالا۔

اور حال ہی میں جمعیت فضل الرحمٰن گروپ کے نمائندہ نے بھی خمینی کے چہلم کے موقعہ پر ایران میں منعقدہ تقریب میں شرکت کی ہے اور اسے زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔

والسلام : محمد عبدالحق چوہان

آئیے۔ اللہ کی رضا اور اجر حاصل کیجئے۔!

ہمارے دینی ادارے اور مستقبل کے منصوبے

مسلمان توجہ فرمائیں

★ — مجلس احرار اسلام دینی انقلاب کی داعی ہے۔ دینی انقلاب — دینی مزاج اور دینی ماحول پیدا کیے بغیر ممکن نہیں۔ ۱۹۲۹ء سے آج تک احرار نے بیسیوں تحریکوں کو جنم دیا اور پروان چڑھایا۔ احرار کی سب سے بڑی، مضبوط اور زندہ تحریک **تحریک ختم نبوت** ہے۔

★ — پاکستان سے پہلے اور پاکستان کے بعد احرار نے سینکڑوں دینی ادارے قائم کیے جن سے اُمتِ مسلمہ میں دینی مزاج عام اور دینی قوتوں میں اضافہ ہوا۔ اکابر احرار نے ایک بات شدت سے محسوس کی کہ جب تک دینی ادارے بنیادی طور پر احرار کی نگرانی میں نہیں چلتے اُس وقت تک یکجہتی پیدا ہونا مشکل امر ہے۔ لہٰذا ہم نے اُمت کے سارے تعاون سے اندرون و بیرونِ ملک دینی ادارے قائم کئے ہوئے ہیں جن کی مختصر تفصیل یوں ہے:

★ مدرسہ معمورہ — مسجد نور، تغلق روڈ ملتان

★ مدرسہ معمورہ — دار بنی ہاشم، پولیس لائنز روڈ ملتان

★ مدرسہ محمودیہ معمورہ — ناگڑیاں ضلع گجرات

★ جامعہ ختم نبوت — مسجد احرار متصل ڈگری کالج ربوہ۔ فون نمبر: ۸۸۶

★ مدرسہ ختم نبوت — سرگودھا روڈ ربوہ

★ دار العلوم ختم نبوت — چیچہ وطنی۔ فون نمبر: ۲۹۵۳

★ مدرسہ ابوبکر صدیق — تلہ گنگ ضلع چکوال

★ یوکے ختم نبوت مشن — (ہیڈ آفس) گلاسگو برطانیہ

یہ ادارے سرگرم عمل ہیں۔ ان کے اخراجات اور آئندہ کے منصوبے، مسجد احرار ملتان۔ مدرسہ معمورہ کے بڑھتے ہوئے کام کے پیش نظر زمین کی خرید اور تعمیر نو۔ دفاتر کا قیام۔ بیرونی ممالک میں مبلغین کی تعیناتی اور اداروں کا قیام، پچاس کتابوں کی اشاعت — یہ تمام کام اُمتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعاون سے ہوگا۔ یہ کام آپ ہی نے کرنا ہے۔

تعاون آپ کریں دعا ہم کریں گے اور اجر اللہ پاک دیں گے — آئیے آگے بڑھیے اور اجر کمائیے

سید عطاء المحسن بخاری مدیر مدارس التحفیظ والمساجد

دار بنی ہاشم ○ پولیس لائنز روڈ ○ ملتان

ترسیل زر کے لئے: اکاؤنٹ نمبر: ۲۹۹۳۲ حبیب بنک لمیٹڈ حسین آگاہی ملتان

مومنین اہلسنت کو اسلامی سال نو مبارک ○ مومنین اہلسنت ہی مجلس میں شریک ہوں

اللہ اکبر

صحابہ کرام رہبر

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

خلافت صحابہ
زندہ باد

یوم عاشورہ
مجلس ذکر حسین رضی اللہ عنہ
پندرھویں سالانہ

خطیب بنی ہاشم
سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ

۱۰ محرم ۱۴۱۰ھ
۱۰ بجے صبح تا نماز عصر

دار بنی ہاشم
مسجد معمورہ پولیس لائنز روڈ
مہربان کالونی ملتان

خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق

خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق اعظم

خلیفہ سوم سیدنا عثمان غنی

خلیفہ چہارم سیدنا علی المرتضیٰ

خلیفہ پنجم سیدنا حسن المجتبیٰ

خلیفہ ششم سیدنا امیر معاویہ

مجلس محبان آل واصحاب رسول ○ ملتان